لندن سے شائع ہونے والا میدانِ ادب کا واحد کثیر الاشاعت بین الاقوامی اردو میگزین
लंदनसे सबसे अधिक प्रकाशित होने वाला उर्दू अदब का मात्र अंतरराष्ट्रीय मैगज़ीन
An International Literary Urdu Magazine Globally Circulated

ماہنامہ قندیل ادب انٹرنیشنل لندن

شمارہ:128 اگست 2023ء
QINDEEL-E-ADUB INTERNATIONAL
103 Peterborough Road Carshalton SM5 1EE London
(M) 0044-7886-304637 (R) 02086482560
www.qindeel-e-adub.co.uk, ranarazzaq52@gmail.com

مبارک احمد عابد

ہوا یہ حکم کہ ہے امتناعِ دلداری
یہ کون چھینے گا ہم سے متاعِ دلداری

عجیب لوگ ہیں اس کے عجیب دیس ہے یہ
منا رہے ہیں یہ جشنِ وداعِ دلداری

جہاں پہ پھول اگر بوئیں خار اگتے ہوں
کدورتیں واں پھلیں گی بجائے دلداری

جو دوستوں کے نہیں سنتا فون دانستہ
یہ بے رخی بھی ہےاور انقطاعِ دلداری

سفر دو پل کا اگر عمر بھر کا بن جائے
تو اس طرح سے ہوا ارتقاء دلداری

وہ بزم یاراں ہوں اور اہلِ دل بھی جمع ہوں
اسی مقام پہ ہے اجتماعِ دلداری

دلوں میں جن کے بھی چاہت کی آگ ہو عابد
انہیں کے ماتھے سے پھوٹے شعاعِ دلداری

Earlsfield Properties

Professional Residential Property Management Services

We will manage your property at 0% commission
Guaranteed
Rent Schemes for 3 & 5 years.

Free Management Services
Guaranteed Vacant Possession.

Get it Right

- Member National Landlord Association
- Member Deposit Portection Schemes
- Member The Property Ombudsman Scheme
- Winner of Pakistan Achievement Award 2014 (Excellence Management)
- Vastly Experience in Housing Benefits Clients.

PLEASE CONTACT: NAVEED SARWAR (MA EUROPEAN REAL ESTATE)

175 Merton Road, London SW18 5EF

Tel: 02082656000 02088770762
Fax: 02088749754
Email: info@earlsfieldproperties.com
Web: www.earlsfieldproperties.com

مجلس ادارت

بانی اراکین

خان بشیر احمد رفیق مرحوم

آدم چغتائی مرحوم

مدیر

رانا عبدالرزاق خان

نائب مدیر: مبشر شہزاد، گلاسگو

اراکین ادارتی بورڈ

ڈاکٹر منور احمد کنڈے، رضیہ اسمٰعیل برمنگھم، رند ملک کنیڈا، اسلم ناصر آسٹریلیا، ثقلین مبارک آسٹریلیا، رانا مبارک احمد بحرین، بشیر احمد خان سویڈن، راجہ منیر احمد، ڈاکٹر منصور خوشتر بھارت، منور احمد خورشید۔ امجد مرزا امجد، طارق مرزا آسٹریلیا، عبدالقدیر کوکب، بشارت احمد چیمہ۔

التماس

تمام دوستوں سے التماس ہے کہ اپنی شعری و نثری تخلیقات اور ادبی پروگرامز کی رپورٹیں وغیرہ برائے اشاعت بصورت ''اِن پیج اردو'' فائلز مع تصاویر ای میل سے روانہ فرمائیں۔ ''قندیل ادب انٹرنیشنل'' بیسیوں ممالک میں لاکھوں اردو قارئین کے زیر مطالعہ رہتا ہے۔ میگزین کے مندرجات پر آپ کی رائے یا مختصر تبصرے ہمیں اپنا محاسبہ کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ مضامین کے ساتھ ضروری حوالہ جات آپ کے مضامین کی افادیت کو بڑھاتے ہیں۔ آپ کی بھیجی ہوئی تمام تصاویر وغیرہ ''کاپی رائٹ فری'' ہونی چاہئیں۔ شکریہ

IMPORTANT ANNOUNCEMENT

"Qindeel-e-Adab International" magazine is a non-commercial and non-profit e-product, as well as on paper, internationally distributed free of cost for the promotion of bi-lingual poetry, fiction, informative multi purpose interesting articles etc in Urdu alphabet in the UK and Europe under the sole ownership of its Chief Editor Abdul Razzaq Khan of the address as stated elsewhere within this magazine for delivery of documents.

The magazine and the contents herein DO NOT relate to a political, religious or a social group whatsoever. The Editor does not necessarily agree with the opinions expressed by the article writers, poets etc..

Although the e-magazine is FREE OF COST to all, yet for ON PAPER copies of the magazine we do expect a reasonable amount of donation to cover the costs of printing, postage and packing for all countries as stated Chief Editor

فہرست مضامین

غزلیات: کلام محمود، ثاقب زیروی، ذکی طارق بارہ بنکوی، فوزیہ ظہیر فضا، طاہرہ مسعود، ڈاکٹر فرزانہ فرحت، بابا جانی عابی مکھنوی، آفتاب شاہ، یوسف ظفر، مولوی محمد حسین بھیروی، بشارت ریحان، منور احمد خالد مرحوم، عاصی صحرائی، منظور احمد بزمی، ضیاء اللہ مبشر، عدیم ہاشمی، تمثیلہ لطیف، احمد مشتاق، ڈاکٹر شہباز امبر رانجھا، زبیر ثاقی، نوشی گیلانی، سعادت علی سعدی، پروین مرزا، اللہ خاں غالب، محسن بھوپالی، پروین شاکر، پروین مرزا، اربیہ ایمان، مولانا حسن رضا خان بریلویؒ، مقصود جعفری، افتخار حسین افی، ثاقب زیروی، رحمان فارس، منیر باجوہ، علی تنہا، پیر نصیر الدین شاہ، امین اوڈیرائی، ڈاکٹر شہباز امبر رانجھا، نوید کیف حافظ، راحت اندوری، طارق انور، فیضان عارف، حضرت بابا ذہین شاہ تاجیؒ، فیضان عارف، احمد فراز۔		4 تا 17
سید شبیر احمد کی تصنیف مکتب عشق کی تقریب رونمائی	نسیم احمد میر	18
انداز بیاں	امجد مرزا امجد	20
ثریا حیا	آغا نیاز مگسی	22
اردو ادب کی تعلیم و اصلاح	ادارہ	23
جستہ جستہ	عطاء القادر طاہر	27
ھ "اور" ہ "میں کیا فرق ہے؟	ادارہ	28
آغا نیاز مگسی اردو کی نامور ادیبہ اور شاعرہ ڈاکٹر زہت عباسی صاحبہ	ادارہ	29
غزل اور نظم میں فرق۔ غزل کا ارتقا	سلیم خان	30
ادبی اصطلاحات	سلیم خان	33
پاکستان کے مسلمان اور پولیس مبارک باد	ادارہ	34
آفتابیات	آفتاب شاہ	34
تعلیمی شاخوں پر بیٹھے ہوئے اُلو	آفتاب شاہ	35
ادبی قدروں کا زوال اور بکواسیات کی تہذیب	رجل خوشاب	37
آرنلڈ اور حالی کے تصورِ معاشرہ اور ادب کا تقابلی جائزہ	آفتاب شاہ	38

اعلان:: ماہانہ قندیل ادب انٹرنیشنل میگزین کا سالانہ چندہ 25 برطانوی پونڈ ہے۔ اگر کسی کو گھر پر بذریعہ ڈاک ارسال کرنا پڑے تو 35 پونڈ سالانہ ہے۔ نیچے دیئے گئے اکاؤنٹ میں سالانہ چندہ کی ادائیگی فرمائیں۔ جزاکم اللہ

رانا عبدالرزاق خان لندن

HSBC London UK,

A/C 04726979 Sort Code 400500

(M) 0044-7886-304637, (R) 02086482560

غزلیات

کلام محمود

اپنے کرم سے بخش دے میرے خدا مجھے
بیمارِ عشق ہوں ترا دے تو شفا مجھے

جب تک کہ دم میں دم ہے اسی دین پر رہوں
اسلام پر ہی آئے جب آئے قضا مجھے

بے کس نواز ذات ہے تیری ہی اے خدا
آتا نظر نہیں کوئی تیرے سوا مجھے

منجملہ تیرے فضل و کرم کے ہے یہ بھی ایک
عیسیٰؑ مسیح ؑ سا ہے دیا رہنما مجھے

تیری رضا کا ہوں میں طلب گار ہر گھڑی
گر یہ ملے تو جانوں کہ سب کچھ ملا مجھے

ہاں ہاں نگاہِ رحم ذرا اس طرف بھی ہو
بحر گنہ میں ڈوب رہا ہوں بچا مجھے

موسیٰؑ کے ساتھ تیری رہیں لن ترانیاں
زنہار میں نہ مانوں گا چہرہ دکھا مجھے

احساں نہ تیرا بھولوں گا تازیست اے مسیح
پہنچا دے گر تو یار کے در پر ذرا مجھے

سجدہ کناں ہوں در پہ ترے اے مرے خدا
اٹھوں گا جب اٹھائے گی یاں سے قضا مجھے

ڈوبا ہوں بحرِ عشقِ الٰہی میں شآد میں
کیا دے گا خاک فائدہ آبِ بقا مجھے

ثاقب زیروی

یہ تمہید عقیدت بھی ہے تشبیب صداقت بھی
تیرے ہر عزم کو حاصل تھی تائید مشیت بھی

کہاں قسمت میں یہ معراج توفیق و سعادت بھی
کہ تبلیغ ہدایت بھی ہے تجدید ہدایت بھی

فقط عزم و عمل سے فطرتوں کے رُخ پلٹ دینا
یہ ایماں کی حرارت بھی ہے ایمان کی کرامت بھی

یہ بزم ناز ہے کسی جاں نثار دین احمدؐ کی
یہاں تو سرنگوں ہے کجکلا ہوں کی رعونت بھی

یہ کس کا نام آیا غیرت توحید کے لب پر
زمانہ گوش بر آواز بھی ہے محو حیرت بھی

تیرے نعروں سے بے دینی کے ایواں ہی نہیں لرزے
اُڑی ہے بے طرح دینی ریاکاروں کی رنگت بھی

یقینا تھے وہ قسمت کے دھنی تقدیر کے یاور
رہی جن کو میسر تیری صحبت بھی سیادت بھی

خدا کی رحمتیں تجھ پر کہ تجھ سے نوع انساں کو
ملی ایماں کی دولت بھی، بصیرت بھی شجاعت بھی

***

صدق و صفا کی شمعیں جلائیں کچھ اسطرح
نور محمدی سے جہاں جگمگا دیا

ڈالی جو خاک پر کبھی مچلی ہوئی نگاہ
ہر ذرہ حقیر کو سونا بنا دیا

اللہ رے اُس جری کے عزائم کی آب و تاب
طوفاں ٹھہر گئے وہ اگر مسکرا دیا

بھر کر دلوں میں ذوق یقیں، ذوق حریت
روندے ہوؤں کو عرش کا تارا بنا دیا

میں اس حسین یاد کو دل میں بساؤں گا
اک لازوال نقش محبت بناؤں گا

ذکی طارق بارہ بنکوی

صفوں میں اپنی یہ کیوں انتشار باقی ہے
دلوں میں لگتا ہے اب تک دراڑ باقی ہے

ملول کیوں ہے قیامت ابھی نہ آئے گی
ابھی جہاں میں بہت سارا پیار باقی ہے

تم آئے تو ہو بظاہر ہماری محفل میں
مگر تمہارا ابھی انتظار باقی ہے

یہ کیسے مان لیں ہے قحط سالی دنیا میں
ہماری آنکھوں میں تو آبشار باقی ہے

جوان سے باتیں ہی کرنے میں صبح دیتا تھا
کہاں وہ راتوں کا اب اختصار باقی ہے

وبالِ جاں نہیں نعمت ہے مجھ کو بیماری
تمہارے جیسا جو تیمار دار باقی ہے

سکون کیسے میسر ہو مجھ کو کے دل میں
ابھی تک اس کا دیا اضطرار باقی ہے

دئے ہیں زخم مجھے تو نے کتنے کیسے کہوں
کہ ان کا تو ابھی کرنا شمار باقی ہے

عجیب بات ہے ذکر ان کا ہو رہا ہے اور
نظامِ گردشِ لیل و نہار باقی ہے

کرے ہے بھیک بھی مجھ سے وہ اس غضب سے طلب
کہ جیسے اس کا پرانا ادھار باقی ہے

یہ کیا، ہے عمر تو اس کی خزاں رسیدہ مگر
ابھی تک اس کے بدن پر بہار باقی ہے

جو چھین سکتا ہے اس کو بھی چھین لے جو تری

ہمارے سینے میں اک یادگار باقی ہے
میں دنیا بھر میں تو معروف ہو چکا ہوں ذکی'
بس اپنا گاؤں اور اس کا جوار باقی ہے
سعادت گنج، بارہ بنکی، اتر پردیش، انڈیا

فوزیہ ظہیر فضا

بڑی دلگیر میرے غم کی صورت ہے مرے اللہ
بپا ہے شورِ محشر اک قیامت ہے مرے اللہ
مرا پیغام کوئی تو مرے مرشد کو پہنچا دے
مجھے اُن کی دعاؤں کی ضرورت ہے مرے اللہ
مریضِ جاں بلب کو بھی حیاتِ نو عطا کر دے
مرشد کی دعا میں استجابت ہے مرے اللہ
بُلا بھیجیں مجھے وہ پاس اپنے تو سکوں آئے
ملوں میں اُن سے اب جلدی یہ چاہت ہے مرے اللہ
مجھے آغوش میں اپنی چھپالے تو بچالے تو
درندوں کے نگر میں تُو حفاظت ہے مرے اللہ
مخاطب کر کے جس کو رابعہ بصری کہا تُو نے
فضاؔ میں یہ غلامی کی علامت ہے مرے اللہ

طاہرہ مسعود

آنکھوں میں تیری دید کا کاجل اُتار کے
کھولے ہوئے ہیں در یہ ترے انتظار کے
اک بے یقینی کیسی فضا میں ہے رَچ گئی
یہ دن خوشی کے لگتے ہیں جیسے اُدھار کے
سازش ہے کیا یہ جانِ تمنا ترے بغیر
تیور عجب ہی ہو گئے لیل و نہار کے
کچھ حل نہ ہوسکیں گے مسائل جہان کے
سوجا سکون سے تو یہ پاؤں پسار کے
پوچھا جو میری کیا ہے حقیقت جناب کو
وہ چل دیئے تھے خود پہ ہی تو مجھ کو وار کے
سمجھے تھے وہ اُتاریں گے صدقہ مرا مگر
وہ چل دیئے تھے مجھ کو ہی صدقہ اُتار کے
تجھ پر کسی کو رحم نہ آئے گا سن رکھو
یہ طوقِ خوش گمانی ہی رکھ دو اُتار کے
یہ کیا کہ ناز جس سے ہے شکوہ بھی اس سے ہے
یہ ڈھنگ بھی عجب ہیں دلِ بے قرار کے

ڈاکٹر فرزانہ فرحت

تجھ کو لینے کو جو اک روز قضا آئی تھی
میں اسے دیکھ کے اے ماں بڑی گھبرائی تھی
دیر تک تو نے بھی آنکھوں کو کھُلا رکھا تھا
موت نے جانتی ہوں تجھ کو سلا رکھا تھا
جاتے جاتے تو مجھے کچھ بھی نہ کہہ پائی تھی
جانے کیسے میں جدائی تری سہہ پائی تھی
تری خاموش نگاہوں میں تھا اک درد چھپا
مری دنیا میں قیامت کا تھا اک حشر بپا
وقت رخصت تری آنکھوں میں تھا غم کا پہرہ
عمر بھر ساتھ رہا ہے ترا پُر نم چہرہ
تری خوشبو میں کبھی دور نہ کر پائی ہوں
قبر پہ آج تری صرف دعا لائی ہوں
مری تنہائی میں کیوں ماں تو مری ساتھ نہیں
کیا ستم ہے مرے ہاتھوں میں ترا ہاتھ نہیں

بابا جانی - عابی مکھنوی

بستر پہ بیمار پڑے تھے
بابا جانی کروٹ لے کر
ہلکی سی آواز میں بولے
بیٹا کل کیا منگل ہو گا؟
گردن موڑے بِن میں بولا
بابا کل تو بُدھ کا دِن ہے
بابا جانی سُن نہ پائے
پھر سے پوچھا کل کیا دِن ہے؟
تھوڑی گردن موڑ کے میں نے
لہجے میں کُچھ زہر مِلا کے
منہ کو کان کی سیدھ میں لا کے دھاڑ کے بولا
بُدھ ہے بابا!!! بُدھ ہے بابا۔
آنکھوں میں دو موتی چمکے
سُوکھے سے دو ہونٹ بھی لرزے
لہجے میں کُچھ شہد مِلا کے
بابا بولے بیٹھو بیٹا
چھوڑو دِن کو دِن ہیں پُورے
تُم میں میرا حصہ سُن لو
بچپن کا اِک قِصّہ سُن لو
یہی جگہ تھی میں تھا تُم تھے
تُو نے پُوچھا رنگ برنگے
پھولوں پر یہ اُڑنے والی
اِس کا نام بتاؤ بابا
گال پہ بوسہ دے کر میں نے
پیار سے بولا تِتلی بیٹا
تُو نے پُوچھا کیا ہے بابا؟
پھر میں بولا تِتلی بیٹا
تِتلی تِتلی کہتے سُنتے
ایک مہینہ پُورا گُزرا
ایک مہینہ پُوچھ کے بیٹا
تِتلی کہنا تُو نے سیکھا

ہر اِک نام جو سِیکھا تُو نے
کِتنی بار وہ پُوچھا تُو نے
تیرے بھی تو دانت نہیں تھے
میرے بھی اَب دانت نہیں ہیں
تیرے پاس تو بابا تھے نا
باتیں کرتے کرتے تُو تو!!
تھک کے گود میں سو جاتا تھا
تیرے پاس تو بابا تھے نا
میرے پاس تو بیٹا ہے نا
بُوڑھے سے اِس بچّے کی بھی
بابا ہوتے سُن بھی لیتے
تیرے پاس تو بابا تھے نا
میرے پاس تو بیٹا ہے نا
میرے پاس تو بیٹا ہے نا

آفتاب شاہ

پھر ہوا شور مرے دل کے نہاں خانے میں
پھر تری یاد کے گھنگھرو میں پہن کر رویا
جب کسی شاخ پہ دیکھا کہ دو پنچھی بیٹھے
دل مرا رویا وہاں اور میں پھر گھر رویا
جب کسی ہاتھ نے تھاما جو مرا ہاتھ کبھی
پھر بچھڑنے کے تصور سے میں ڈر ڈر رویا
جب یہ سوچا کہ اسے چومتا ہوگا کوئی
سوچ کر کانپ گیا اور میں تھر تھر رویا
نہ ملا تُو تو وہ کہتا تھا کہ مر جاؤں گا
اس غلط بات کو سچ مانا تو مر مر رویا
پھر مرے پاؤں میں سرگوشی کی اک کانٹے نے
پھر اسی بات کی وحشت میں میں سرسر رویا
پھر اسی راہ پہ چلنے لگے افسردہ قدم
پھر اسی عشق کی شدت میں، میں در در رویا
پھر ترے آنے کے وعدوں کو میں سن کر ناچا
پھر ترے ہجر کے قصوں کو میں سن کر

****

جنتر منتر دھاگے شاگے جادو ٹونے والوں نے
تیری خاطر کیا کیا سیکھا تجھ کو کھونے والوں نے
ایک طلسمی سرگوشی پر میں نے مڑ کر دیکھا تھا
مجھ کو پتھر ہوتے دیکھا پتھر ہونے والوں نے
اچھے کی امید پہ کتنے مشکل دن کٹ جاتے ہیں
خواب محل کے دیکھے اکثر خاک پہ سونے والوں نے
کتنی ماؤں نے بچوں کو باتوں میں الجھایا تھا
گلیوں میں آوازیں دیں جس وقت کھلونے والوں نے
ایک طرف تو یادیں تھیں اور ایک طرف دیوان میرؔ
دیکھ فضا افسردہ کر دی کرب سے رونے والوں نے
اسمِ یار کا ورد وظیفہ کر کے وقت گذارا ہے
اک تسبیح بنا دی تیری یاد پرونے والوں نے

یوسف ظفر

ہے گلُو گیر بہت رات کی پہنائی بھی
تیرا غم بھی ہے مجھے، اور غمِ تنہائی بھی
دشت و وحشت میں بجُز ریگِ رواں، کچھ بھی نہیں
آج کل شہر میں ہے لالہ صحرائی بھی
میں زمانے میں تیرا غم ہوں بہ عنوانِ وفا
زندگی میری سہی، ہے تیری رُسوائی بھی
آج تُو نے بھی میرے حال سے منہ پھیر لیا
آج نمناک ہوئی چشمِ تماشائی بھی
اب کُھلا ہے، کہ تیرا حُسنِ تغافل تھا کرم
گرچہ، کچھ دیر طبیعت میری گھبرائی بھی
جُز غمِ دہر مجھے کوئی نہ پہچان سکا
تیرے کوچے میں، تیری یاد مجھے لائی بھی
اُن کی محفل میں ظفر! لوگ مجھے چاہتے ہیں
وہ جو کل کہتے تھے دیوانہ بھی، سودائی بھی

مولوی محمد حسین بھیروی

وڈیاں مہراں والیا سایاں رب غریب نوازا
اپنے فضل کرم تھیں کھولیں رحمت دا دروازہ
رحمت دا دریا الٰہی ہردم وگدا تیرا
جے ہک قطرہ بخشیں مینوں کم ہو جاوے میرا
وچہ خزانے تیرے یا رب ہر گز تھوڑ نہ کوئی
ہر محتاج نما نے کا رن تیری رحمت ہوئی
جے کر ساڈیاں عیباں کا رن تیرا فضل نہ ہوندا
دفتر کالے بدیاں والے کون اساڈے دھوندا
سارے پاسے چھان تیرے در آڈِگا منہ کالا
ایسی نعمت تیرے باہجوں کوئی نہیں دیون والا!
تیں بن سایاں ہو رنہ مینوں پاسا سجھدا کائی!
وڈے رحیم کریم دوا رے اُپر سیوالائی!
وڈا گناہیں عیبیں بھریا سائل آیا درتے!
کیویں رحیم سدا دے جس تھیں سائل خالی پرتے
نہیں اُمید جے دراپنے تھیں خالی ٹوریں مینوں!
پردے کجن والیا سایاں سب توفیقاں تینوں!
نیکاں آس نکویاں والی آس تیری بدکاراں!
توں مخزن ہر نیکی سندا گھن اساڈیاں ساراں
بریاں نال نکوئی کرنی ہر دم رحمت تیری!
کس در جاواں تیں بن سایاں ہورنہ کوئی ڈھیری
بخش قصور میرے یا خالق صدقہ نامہ غفّاروں
اوگن میرے تے گن تیرے دونویں باہجھ شماروں
جوکوئی سائل در تیرے تے آن سوال الاوے

پوری کریں مراد اُسے دی جو منگے سو پاوے!
تیرا وہ دربار الٰہی پاک منزّہ عالی!
جس درباروں کوئی سوالی کدیں نہ ولیا خالی!
کر کے آس دوارے تیرے جو کوئی عاجز جاندا
بھاویں لکھ گناہیں ہووے تونہیں دور ہٹاندا
لکھ کروڑاں در تیرے تے خلقت مطلب پاوے
کی پرواہ جے ہک عاجز دی عرض قبول ہو جاوے
میریاں روگاں کارن بھیجیں فضلوں آپ دوائیاں
تیں بن ہور کہڑے در جاواں فضلاں والیا سایاں
دے مراداں بخش اولاداں کر شاداں آباداں
مرویاں تائیں بھلّن ناہیں دل تھیں تیریاں یاداں
اُنہاں نال ملا جنہاں تے فضل تُساڈے ہوئے
وچہ حیاتی رکھیں میرے نین پران نروئے
صدقہ حضرت نبی محمد سرورؐ جہاناں
جس دی خاطر پیدا کیتا تُدھ زمین اسماناں
جس دی پاروں حضرت آدمؑ عیب معاف کرایا
جس دی برکت نوحؑ نبی دا بیڑہ بنے لایا
جس دی خاطر تدھ چھپ تھیں ابراہیمؑ بچایا
جس دی برکت یعقوبیؑ نوں یوسف پھیر ملایا!
ایڈ محایا جس حضرت دا وچہ تیرے دربارے
میں بھی اوہ محبوب وسیلہ لے آندا سرکارے
بخش تصدّق اُس دا کر کے جو کچھ حاجت مینوں!
ظاہر باطن کل مراداں میریاں معلم تینوں!
مِٹھا میوہ بخش الٰہی رحمت اپنی پاروں!
سکا رکھ وجود میرے دا سبز کریں سرکاروں
لاتیں پھل جناب اپنی تھیں سوہنے پھل نرالے
بخش دیویں فرزند حضوروں نیک حیاتیاں والے
جیوں مایوسی پیری ویلے قدرت ظاہر ہوئی!
حضرت زکریّا نو یحییٰ آپ عطا کیتوئی

سکا باغ میرا کر ہر یا رحمت مینہہ وساتیں
آس اُمید میری وے بوٹے پھلّاں نال سوہاتیں
تُونہاں بوٹیاں لاون والا والی مالی ھردا
بے اولاداں تے ناشاداں تکیہ تیرے دردا
باغ لگاویں خوشیاں والے بوٹی پٹیں غم دی
سارے کم سنواریں میرے کر کے نظر کرم دی
لاتذرنی فرداً آپے تدھ دعا سکھائی
کدیں تاں پوری پا اساڈی روندیاں عمر دھائی
کر قبول جناب اپنی تھیں اس روندے دی زاری
بخش غلام ذکیاؑ مینوں یارب خالق باری
صدقہ پاک کلام اپنی دا صدقہ کل رسولاں
صدقہ کل انبیا واں پاکاں محبوباں مقبولاں
پنجتن پاک اماماں باراں صدقہ معصوماں دا
کل شہید جو کربل والے عالی شان جنہاندا
صدقہ پاک رسول محمد صدقہ چوہاں یاراں
صدقہ کل شہید مہاجر صدقہ کل انصاراں
صدقہ حضرت غوثُ الاعظمؒ صدقہ کلُ اولیاواں
صدقہ کل اقطاباں غوثاں صدقہ کل صلحاواں
نقشبندیؒ تے قادریؒ صاحب ہور جو چشتیؒ سارے
صدقہ پیر سیالویؒ صاحب بخش غموں چھٹکارے
صدقہ پیر شاہ عیسیٰؒ صاحب صدقہ اجملؒ سائیں
یارب سایاں میں عاجز دیاں کریں قبول دعائیں

منور احمد خالد مرحوم

میرے کول جادو اے تے علمِ نجوم ایں
وَس نئیں توں سکدی منوں اے معلوم ایں
سوریاں توں کوئی آوے نک منہ چڑھانی ایں
پیکیاں دے گئے نوں وی چوریاں کھوانی ایں
بندہ گُجھ آکھے چٹ پائیاں نوں بلانی ایں
رو رو وکھانی ایں توں کنی مظلوم ایں
میرے کول جادو اے تے علمِ نجوم ایں
بندے دی کمائی نوں توں پیکے ٹوئی جانی ایں
نالے لُٹی جانی ایں تے نالے روئی جانی ایں
فاکیاں دا وَین پاندی موٹی ہوئی جانی ایں
کہنی ایں شریکاں نوں کہ بندہ بڑا شُوم ایں
میرے کول جادو اے تے علمِ نجوم ایں
جھڑے سال تیرے نال کڈے اس غریب نے
ہوٹلاں دے بُسّے کھانے اس دا نصیب نے
تیری خانہ داری دے دے کر شمے عجیب نے
اینا تینوں پتہ نئیں اے گنڈا اے کے تھوم ایں
میرے کول جادو اے تے علمِ نجوم ایں
گل سُن میری نی نصیباں دئے ماریئے
رَل کے جے پیار نال جندڑی سنواریئے
خوشیاں دے ڈُبّے بیڑے نویں سروں تاریئے
دلوں ہو جا صاف جیویں شکلوں معصوم ایں
میرے کول جادو اے نہ علمِ نجوم ایں
وَس نئیں توں سکدی منوں اے معلوم ایں

بشارت ریحان

کینیڈا کی یہ تب و تاب سلامت رکھنا
میرے معبود! مرے خواب سلامت رکھنا
کینیڈا کی یہ تب وتاب سلامت رکھنا
میں نے اس ملک میں جتنے بھی بنائے ہیں رفیق
وہ مرا حلقہ احباب سلامت رکھنا
دوستو! جس نے بھی چومی ہے یہاں کی مٹی
اس کا ہر خطۂ شاداب سلامت رکھنا
اس کے پرچم سے نکلتے ہیں اجالے اکثر
ان ستاروں کی تب و تاب سلامت رکھنا

ہر عمارت کی حفاظت ہے ہمارا شیوہ
شہر کے گنبد و محراب سلامت رکھنا
چار چاند اس نے سجائے ہیں تمہارے گھر میں
یہ توانائی کا مہتاب سلامت رکھنا
وقت کا یہ تقاضا ہے مرے ہم وطنو!
شہریت کے ادب آداب سلامت رکھنا

طاہرہ زرتشت نازؔ

دلوں میں پھول محبت کے کھلنے والے تھے
عجیب بات کہ پتھر پگھلنے والے تھے
بدل چکے ہیں مرے شہر کے سبھی منظر
نہ وہ بہار ، نہ پنچھی چہکنے والے تھے
بس ایک رنگِ محبت نہ چُھٹ سکا لیکن
"وہ رنگ اُتر ہی گئے جو اُترنے والے تھے"
وہ لوٹ آئے ہیں دل کی حسین نگری میں
وگرنہ خواب سہانے بکھرنے والے تھے
دکھا گیا کئی چہرے وہ حَبس کا موسم
نقاب ورنہ کہاں یہ اُترنے والے تھے
ہزار پھول کھلے اب کے میرے گلشن میں
گرے ہیں پات وُہی جو کہ گرنے والے تھے
ملے ہیں خار بہت زیست کے سفر میں مگر
سمے گزر ہی گئے جو گزرنے والے تھے
فلک پہ رنگ دھنک کے نکھر کے آئے ہیں
برس گئے ہیں جو بادل برسنے والے تھے
لگائے پودے سُخن کے، سکھی! سُخن ور نے
پنپ رہے ہیں جو ان میں پنپنے والے تھے
سُخن اُترتے رہے یُوں جو پھول بن بن کر
گلاب ، ناز! کھلیں گے جو کھلنے والے تھے

***

ایک مدت ہوئی ظلم اور جَور سے
اپنے ہی دیس میں جینا دوبھر ہوا
رفتہ ، رفتہ یُونہی ظلم بڑھتا گیا
دائرہ، تنگ سے تنگ ہوتا گیا
پانچوں ارکانِ اسلام کے فرض سے
ظلم کی راہ سے ہم کو روکا گیا
سانس بھی اب توسینوں میں گھٹنے لگا
ہاتھ سے ، دامنِ صبر چھٹنے لگا
عید کے دن جو قدغن لگائی گئی
اِک قیامت، نئی ہم پہ ڈھائی گئی
مرحلے، رہ میں مشکل کڑے اور ہیں
آنے والے مگر،اب نئے دور ہیں
اِستقامت ہی اس کے لئے شرط ہے
وقتِ صبر و تحمل ہے اور ضبط ہے
صبر سے اپنے جذبوں کو قرباں کریں
صدق سے پورے مولا کے فرماں کریں
ہم کو ہے حکم تقوٰی سے ہم کام لیں
صبر و طاعت کا آپس میں پیغام دیں
جو کہا اپنے آقا نے سب مان لیں
عید کا کیا ہے مقصد، وہ پہچان لیں
آج قربان گاہوں پہ دل ڈال دیں
سجدہ گاہوں پہ اپنے یہ سر ڈال دیں
گوشت اور خون اس تک پہنچتا نہیں
دل کے جذبوں کی کرتا ہے وہ بھی قدر
ربّ تعالٰی سے ہم سب دُعائیں کریں
آنسوؤں سے یہ تر سجدہ گاہیں کریں
دل کی حالت پہ ہر دم ہے اُس کی نظر
اِنہی، قربانیوں کا وہ دے گا اجر
دیکھنا تُم !وہ دن اب بھلے آئیں گے
حمد کے گیت گائیں گے مُسکائیں گے

ہم نے دیکھا کئی بار منظر حسیں
اس کی رحمت کے بادل قریں تر قریں
حَبس جب نازؔ حد سے زیادہ بڑھے
رحمتوں کی اُسی وقت بارش پڑے
صبر کا وقت ہے صبر سے کام لیں
اپنے مولٰی کے دامن کو بس تھام لیں

عاصی صحرائی

محبتوں کی لازوال منزلیں ملیں تمہیں؟
ندامتوں سے پیش پیش دھڑکنیں ملیں تمہیں؟
تمہارے کان میں سنا رہا ہے وہ اذانِ وصل
کبھی کہیں تو خیر کی ساعتیں ملیں تمہیں
ہمیں گلے ملو کہ غم ہوں ختم آپ کے حضور!
ہمیں پتا ہے ہر جگہ سے نفرتیں ملیں تمہیں
جو کہہ رہے تھے تم بہت حسین ہیں یہ اُلفتیں
خموش کیوں ہو اب بتاؤ اُلفتیں ملیں تمہیں؟
جمالِ پر وصال چاہتے تھے ایک وقت سے
کہیں حسیں بدن کی کوئی قربتیں ملیں تمہیں؟
چلو بہت ہوں وصل کی مبارکیں عزیز دوست
چلو کبھی تو خیر سے رفاقتیں ملیں تمہیں
ملی ہیں اُلفتیں بھی بانٹ کر ہمیں تو نفرتیں
اے عاصیؔ تو بتا ہمیں، محبتیں ملیں تمہیں ؟

-۲-

چلے گردن پہ جو ، تلوار سے تسکیں ہو گی
اے عدو سب کو تری ہار سے تسکیں ہو گی
تو فقط دیکھ مری سمت وفا سے عاری
باوفا شخص کے دیدار سے تسکیں ہو گی
تو سمجھتا ہے سمجھ ،خوارِ جہاں پر ہم پر
اس خرد کے چلے ہر وار سے تسکیں ہو گی

جو گرائی سرِ محفل اسی منظر سے تجھے
داستاں میں مری دستار سے تسکیں ہو گی
نئے پیرائے میں کچھ بات کرو جرآت سے
اے سخنور نئے آثار سے تسکیں ہو گی
منفرد ہوں سو میں تفرید کو کہتا ہوں "تجھے"
مجھ غرابت کے طرف دار سے تسکیں ہو گی
کسی کم ظرف کی پہچان ہے اس کو عاصیؔ
بزدلوں پر چلی تلوار سے تسکیں ہو گی

۔۳۔

کام تجدید کے چکر میں پڑا رہ جائے
اور گاہک تو سرِ راہ کھڑا رہ جائے
اب کے ایسا ہو کہ دریا میں محبت ڈوبے
اور سلامت وہاں پر کچا گھڑا رہ جائے
ایسے ٹوٹیں کسی منطق سے سبھی یار اس کے
اپنی ہی ذات میں وہ اپنا دھڑا رہ جائے
نذر کر دوں کسی گرداب کو زیور اپنا
بس ترے نام کا ہاتھوں میں کڑا رہ جائے
تیرے ہونٹوں نے مرے ماتھے کو چوما ہے تو یہ
میرے ماتھے پہ ترا تاج جڑا رہ جائے
وصل چاہے تو مگر سخت مزاجی سے وہ شخص
دم بہ دم ہجر کے موضوع پہ اڑا رہ جائے
تم نے ہم کو جو خزاؤں میں اُجاڑا عاصیؔ
تیرا چہرہ بھی بہاروں میں جھڑا رہ جائے

۔۴۔

زر اگر پاس ہو ہم دنیا ہلا سکتے ہیں
جنبشِ دہر کو مٹی میں ملا سکتے ہیں
ایسے دیکھو کہ تڑپ اُٹھے ہماری دھڑکن
تڑپِ عشق سے ہم عشق بڑھا سکتے ہیں
ہم اگر دشت کو گلزار بنانا چاہیں
ہم محبت کی ہواؤں سے بنا سکتے ہیں
عجز رکھتے ہیں بہت ورنہ زمانے والو !!
اک اشارے سے پہاڑوں کو ہلا سکتے ہیں
ہم محبت کے حوالوں سے اگر کام کریں
دامنِ کوہ میں بھی پیڑ اُگا سکتے ہیں
صبحِ بسمل گل و گلزار نظر آئے اگر
شبِ تاریک کو ہم لوگ بھلا سکتے ہیں
شعریت آگ کے اندر بھی نظر آئے تو
ہم بلا خوف وہاں کود کے جا سکتے ہیں

ضیاءاللہ مبشر

ترا پھول پھول چہرہ مَیں سدا بہار دیکھوں
وہ گھڑی کبھی نہ آئے تجھے بیقرار دیکھوں
اے مکین دل تجھی سے ہے جہاں دل کی رونق
ہے دعائے دل یہ تجھکو بابرگ و بار دیکھوں
تری دید سے سوا ہو، مرا شوقِ دید ہر پل
کہے چشم نم مچل کے تجھے بار بار دیکھوں
ترا پھول پھول چہرہ مَیں سدا بہار دیکھوں
وہ گھڑی کبھی نہ آئے تجھے بیقرار دیکھوں

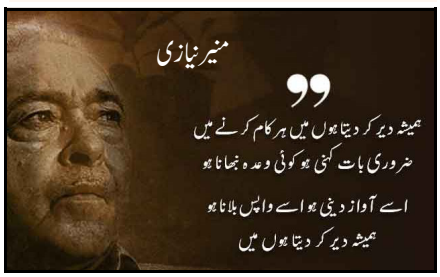

منظور احمد بزمی

چلے آؤ مرے تم پاس میرا گھر بچانے کو
مرے اللہ مری سن لے دعائیں التجائیں تُو
پڑی ہوں دیر سے سجدے میں آئی ہوں منانے کو
مرے اللہ دہائی دے رہی ہوں میں کھڑی کب سے
حقیقت میں بدل دے آج تو میرے فسانے کو
یہ باتیں تیری میری ہیں یہ تو جانے یا میں جانوں
تری چوکھٹ پہ آتی ہوں میں حالِ دل سنانے کو
مجھے ہے آرزو جس کی تمنا گر وہ بَر آئے
سجا دوں پھول کلیوں سے ترے میں آستانے کو
حوادث نے ہے گھیرا یوں تو لیکن جانتی ہوں میں
ہے میرے ساتھ میرا رب مری بگڑی بنانے کو
مرے دل غم زدہ کیوں ہے بھروسہ رکھ خدا پر تو
لگے ہیں تیر اب تو ڈھونڈنے اپنے نشانے کو
لگا ہے تاک میں میرا عدو تو کیا ہوا اے دل
مرا اللہ تو کافی ہے اسے جڑ سے مٹانے کو
ترے قدموں پہ ڈالوں گا ترے دشمن سبھی اک دن
ترا وعدہ ہے جب کر کے دکھا دے پھر زمانے کو

عدیمؔ ہاشمی

کٹ ہی گئی جُدائی بھی کب یہ ہُوا کہ مر گئے
تیرے بھی دِن گزر گئے میرے بھی دِن گزر گئے
تیرے لیے چلے تھے ہم تیرے لیے ٹھہر گئے
تُو نے کہا تو جی اُٹھے تُو نے کہا تو مر گئے
وقت ہی جُدائی کا اِتنا طویل ہو گیا
دِل میں تیرے وِصال کے جتنے تھے زخم بھر گئے
ہوتا رہا مُقابلہ پانی کا اور پیاس کا

صحرا اُمڈ اُمڈ پڑے دریا بپھر بپھر گئے
تُو بھی کُچھ اور اور ہے ہم بھی کُچھ اور اور ہیں
جانے وہ تُو کِدھر گیا جانے وہ ہم کِدھر گئے
وہ بھی غُبارِ خواب تھا ہم بھی غُبار خواب تھے
وہ بھی کہیں بکھر گیا ہم بھی کہیں بکھر گئے
راہوں میں ہی مِلے تھے ہم راہیں نصیب بن گئیں
وہ بھی نہ اپنے گھر گیا ہم بھی نہ اپنے گھر گئے
کوئی کنارِ آبجُو بیٹھا ہُوا ہے سر نگوں
کشتی کِدھر چلی گئی جانے کِدھر بھنور گئے
آج بھی اِنتظار کا وقت حنُوط ہوگیا
ایسا لگا کہ حشر تک سارے ہی پل ٹھہر گئے
بارشِ وصل وہ ہُوئی سارا غُبار دُھل گیا
وہ بھی نِکھر نِکھر گیا ہم بھی نِکھر نِکھر گئے
آبِ محیطِ عِشق کا بحر عجیب بحر ہے
تیرے تو غرق ہو گئے ڈُوبے تو پار کر گئے
اِتنے قریب ہو گئے اپنے رقیب ہو گئے
وہ بھی عدیم ڈر گیا ہم بھی عدیم ڈر گئے
اُس کے سلُوک پر عدیم اپنی حیات وموت ہے
وہ جو مِلا تو جی اُٹھے وہ نہ مِلا تو مر گئے۔۔۔!

ڈاکٹر شہباز امبر رانجھا

سوچ میری جو ذرا آج بھی آزاد نہیں
"اب کسی بات کا طالب دل ناشاد نہیں"
ایک دنیا بھی اجڑ جا تو نوحہ نہ کہیں
جس کے کارن ہو برباد، وہ برباد نہیں
رات ہمزاد ملا مجھ سے وہی روٹھ گیا
چاہ موجود کہیں تھی تو اسے یاد نہیں
آج سرکار غضب ڈھائے ضرورت ہے کہاں
تیغ و تلوار مرے ہاتھ میں استاد نہیں
اک زمانہ کہ مرے تیشے پہ رہتا ہے مگر
یار کہتے ہیں صلاحیت فرہاد نہیں
لا شعوری ہے تری ذات کے مظہر کا گماں
بات مشکل ہے وہ جس بات کی بنیاد نہیں
تیرا امبر ہے عقابوں کے نشیمن میں ابھی
مار دے جو مجھے سنسار میں صیاد نہیں

تمثیلہ لطیف

کوئی میرا بھی ہوتا جو کبھی کوئی دعا دیتا
یا پھر احسان یہ کرتا مجھے جامِ قضا دیتا
کہاں ڈھونڈوں میں وہ رہبر دکھا کر جو مجھے رستہ
مٹا دیتا مرے غم کو مجھے رب سے ملا دیتا
خدا سے لو لگاتی تو عطا ہوتی ہوتا مجھے سب کچھ
پڑا تھا واسطہ بندے سے بندہ مجھ کو کیا دیتا
کوئی ایسا تو ہوتا جس سے کرتی دل کی باتیں میں
کوئی ایسا تو ہوتا جو مجھے اپنی نوا دیتا
سبق سب نے پڑھایا ہے مجھے تو بے وفائی کا
کوئی پاسِ وفا رکھتا کوئی درسِ وفا دیتا
چھپاتا ہے مرے عصیاں خدا کا ظرف بھی دیکھو
بشر کوئی خدا ہوتا یقیناً وہ سزا دیتا
یقیناً بے خبر تھا مجھ سے تمثیلہ وگرنہ وہ
اگر پہچانتا مجھ کو تو کیا ایسے گنوا دیتا

زبیر ثانی

کریں بات دلیلوں سے تو رد ہوتی ہے
اس کے ہونٹوں کی خموشی بھی سند ہوتی ہے
سانس لیتے ہوئے انساں بھی ہیں لاشوں کی طرح
اب دھڑکتے ہوئے دل کی بھی لحد ہوتی ہے
جس کی گردن میں ہے پھندا وہی انسان بڑا
سولیوں سے یہاں پیمائش قد ہوتی ہے
شعبدہ گر بھی پہنتے ہیں خطیبوں کا لباس
بولتا جہل ہے بدنام خرد ہوتی ہے
کچھ نہ کہنے سے بھی چھن جاتا ہے اعجاز سخن
ظلم سہنے سے بھی ظالم کی مدد ہوتی ہے

احمد مشتاق

یہ ہم غزل میں جو حرف و بیاں بناتے ہیں
ہوائے غم کے لیے کھڑکیاں بناتے ہیں
انہیں بھی دیکھ کبھی اے نگار شام بہار
جو ایک رنگ سے تصویر جاں بناتے ہیں
نگاہ ناز کچھ ان کی بھی ہے خبر تجھ کو
جو دھوپ میں ہیں مگر بدلیاں بناتے ہیں
ہمارا کیا ہے جو ہوتا ہے جی اداس بہت
تو گل تراشتے ہیں تتلیاں بناتے ہیں
کسی طرح نہیں جاتی فسردگی دل کی
تو زرد رنگ کا اک آسماں بناتے ہیں
دل ستم زدہ کیا ہے لہو کی بوند تو ہے
اس ایک بوند کو ہم بے کراں بناتے ہیں
بلا کی دھوپ تھی دن بھر تو سائے بنتے تھے
اندھیری رات ہے چنگاریاں بناتے ہیں
ہنر کی بات جو پوچھو تو مختصر یہ ہے
کشید کرتے ہیں آگ اور دھواں بناتے ہیں

نوشی گیلانی

تجھ سے اب اور محبت نہیں کی جا سکتی

خود کو اتنی بھی اذیت نہیں دی جا سکتی
جانتے ہیں کہ یقیں ٹوٹ رہا ہے دل پر
پھر بھی اب ترک یہ وحشت نہیں کی جا سکتی
حبس کا شہر ہے اور اس میں کسی بھی صورت
سانس لینے کی سہولت نہیں دی جا سکتی
روشنی کے لیے دروازہ کھلا رکھنا ہے
شب سے اب کوئی اجازت نہیں لی جا سکتی
عشق نے ہجر کا آزار تو دے رکھا ہے
اس سے بڑھ کر تو رعایت نہیں دی جا سکتی

سعادت علی سعدی

ہوائیں گنگناتی ہیں اگر ہم تم سے ملتے ہیں
وفا کے گیت گاتی ہیں اگر ہم تم سے ملتے ہیں
چمن میں پھول کھلتے ہیں محبت رقص کرتی ہے
فضائیں جگمگاتی ہیں اگر ہم تم سے ملتے ہیں
وہ گھڑیاں جو کبھی ہم کو جدا ہونے نہ دیتی تھیں
گلے ہم کو لگاتی ہیں اگر ہم تم سے ملتے ہیں
بدل جاتا ہے موسم اور فضا ہوجاتی ہے رنگیں
گھٹائیں گھِر کے آتی ہیں اگر ہم تم سے ملتے ہیں
جواں بھنورے، چہکتی بلبلیں اور کوئلیں آ کر
حسیں نغمے سناتی ہیں اگر ہم تم سے ملتے ہیں
عجب انگڑائیاں لیتا ہے موسم اپنی مستی میں
گھٹائیں جھوم کے گاتی ہیں اگر ہم تم سے ملتے ہیں

پروین مرزا

ان کو میرے ضبطِ غم سے بھی گلہ رہ جائے گا
مشکلیں جب ختم ہوں گی حوصلہ رہ جائے گا
رفتہ رفتہ دل بھی ٹھہرا آنکھ سے آنسو رکے
ہم یہ سمجھے تھے کہ یہ غم جان لے کر جائے گا
ایک اک کر کے زمیں سے سب گلے مل جائیں گے
جانے پہچانوں سے رشتہ یاد کا رہ جائے گا
منزلوں کی خواہشیں جب توڑ دیں گی دل میں دم
جانے والوں کے لئے بس راستہ رہ جائے گا
آپ کی آنکھوں میں اترا ہے تو اجلا ہو گیا
کیا خبر تھی عکس میرا آئنہ ہو جائے گا
نسبتیں ہم سے زمیں کی چھن گئیں پرویںؔ تو کیا
آسمانوں سے ہمارا رابطہ رہ جائے گا

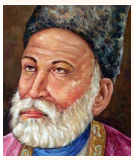

اسداللہ خاں غالب

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے، یہی انتظار ہوتا
ترے وعدے پر جیے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے، اگر اعتبار ہوتا
تری نازکی سے جانا کہ بندھا تھا عہد بودا
کبھی تو نہ توڑ سکتا اگر استوار ہوتا
کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیرِ نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی، جو جگر کے پار ہوتا
یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا، کوئی غم گسار ہوتا
رگِ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
جسے غم سمجھ رہے ہو، یہ اگر شرار ہوتا
غم اگرچہ جاں گسل ہے پہ کہاں بچیں کہ دل ہے
غمِ عشق گر نہ ہوتا، غمِ روزگار ہوتا
کہوں کس سے میں کہ کیا ہے؟ شبِ غم بری بلا ہے
مجھے کیا برا تھا مرنا، اگر ایک بار ہوتا
ہوئے مر کے ہم جو رسوا، ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا؟
نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا
اسے کون دیکھ سکتا، کہ یگانہ ہے وہ یکتا
جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہیں دو چار ہوتا
یہ مسائلِ تصوّف یہ ترا بیان غالبؔ
تجھے ہم ولی سمجھتے، جو نہ بادہ خوار ہوتا

محسن بھوپالی

بے سبب لوگ بدلتے نہیں مَسکن اپنا
تُم نے جَلتے ہُوئے دیکھا ہے نشیمن اپنا
کِس کڑے وقت میں موسم نے گواہی مانگی
جب گریبان ہی اپنا ہے نہ دامن اپنا
اپنے لُٹ جانے کا اِلزام کِسی کو کیا دُوں
میں ہی تھا راہنما، میں ہی تھا رہزن اپنا
کوئی مِلتا ہے جو اِس دَورِ پُرآشوب میں دوست
مشورے دے کے بنا لیتے ہیں دُشمن اپنا
جب بھی سچّ بولتے بچّوں پہ نظر پڑتی ہے
یاد آ جاتا ہے بے ساختہ بچپن اپنا
یُوں کِیا کرتے ہیں لڑکوں کو نصیحت اکثر
جیسے ہم نے نہ گُزارا ہو لڑکپن اپنا
رنگِ محفل کے لیے ہم نہیں بدلے محسنؔ!
وہی اندازِ تخیّل ہے، وہی فَن اپنا

پروین شاکر

کو بہ کو پھیل گئی بات شناسائی کی
اس نے خوشبو کی طرح میری پذیرائی کی
کیسے کہہ دوں کہ مجھے چھوڑ دیا ہے اس نے
بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی
وہ کہیں بھی گیا لوٹا تو مرے پاس آیا
بس یہی بات ہے اچھی مرے ہرجائی کی

تیرا پہلو ترے دل کی طرح آباد رہے
تجھ پہ گزرے نہ قیامت شب تنہائی کی
اس نے جلتی ہوئی پیشانی پہ جب ہاتھ رکھا
روح تک آگئی تاثیر مسیحائی کی
اب بھی برسات کی راتوں میں بدن ٹوٹتا ہے
جاگ اٹھتی ہیں عجب خواہشیں انگڑائی کی

اریبہ ایمان

بچا کر رکھ ہمارے شوق کی خاطر سفینوں کو
بہا دیتے یہاں دشمن مہنگے سب نگینوں کو
نشانی کرب کی ہم کو فلک سے بھی جھلکتی ہے
ستاروں نے ڈرایا ہے کسی کی مہ جبینوں کو
سرِ بازار بکتے ہیں خدا کا گھر بدلتے ہیں
وفا کرنی نہیں آتی کسی دل کے مکینوں کو
بہت سے روگ دیتی ہے ہجر کی رات کٹتی ہے
کہاں پھر زیب دیتی ہے محبت ان ذہینوں کو
کریں گے خاک ہم اپنی لکھی ہر اک غزل ان پر
اکٹھا کر ذرا میرے شہر کے سب حسینوں کو
ہمارے باغ جتنے ہیں سبھی میں پھول کھلتے ہیں
اریبہ خوب جانے ہے محبت کے قرینوں کو

***

میں گردشِ ایام میں ہنس کر تھکن سے چور تھا
میں دشت میں تنہا کھڑا قوسِ قزح سے دور تھا
اس عشق کے ہر بام میں سب کچھ عیاں ہوتا مگر
پنہاں سبھی اسرار ہوں گے یہ یہاں دستور تھا
آزار ہیں سب ہی مسافر چاہتوں کے روگ سے
کوچہ کسی بے نام کا امروز سے مشہور تھا
خرمن تخیل والی لڑکی خار سے بچتی رہی
جس کا مسلسل دل جلا ہے جیسے کوہِ طور تھا
شاعر زمانے کے سبھی غم کی قسم لکھتے رہے
فرقت مگر محبوب کی سب کے لیے ناسور تھا
میں عکس اپنا سوچ کر اک جنگ میں شاعر بنا
مسمار مشتِ خاک سے لکھتا رہا مجبور تھا

کلام شہنشاہِ سُخن

مولانا حسن رضا خان بریلویؒ

حضورِ کعبہ حاضر ہیں حرم کی خاک پر سر ہے
بڑی سرکار میں پہنچے مقدر یاوَری پر ہے
نہ ہم آنے کے لائق تھے نہ منہ قابل دکھانے کے
مگر اُن کا کرم ذرّہ نواز و بندہ پروَر ہے
خبر کیا ہے بھکاری کیسی کیسی نعمتیں پائیں
یہ اونچا گھر ہے اس کی بھیک اَندازے سے باہر ہے
تصدق ہو رہے ہیں لاکھوں بندے گرد پھر پھر کر
طوافِ خانۂ کعبہ عجب دلچسپ منظر ہے
خدا کی شان یہ لب اور بوسہ سنگ اَسود کا
ہمارا منہ اور اس قابل عطائے ربِّ اَکبر ہے
جو ہیبت سے رُکے مجرم تو رحمت نے کہا بڑھ کر
چلے آؤ چلے آؤ یہ گھر رحمٰن کا گھر ہے
مقامِ حضرتِ خلت پدر سا مہرباں پایا
کلیجہ سے لگانے کو حطیم آغوشِ مادَر ہے
لگاتا ہے غلافِ پاک کوئی چشم پرنم سے
لپٹ کر ملتزم سے کوئی محوِ وصلِ دلبر ہے
وطن اور اس کا تڑکا صدقے اس شامِ غریبی پر
کہ نورِ رُکن شامی رُوکشِ صبح منور ہے
ہوئے ایمان تازہ بوسۂ رُکن یمانی سے
فدا ہو جاؤں یمن و اَیمنی کا پاک منظر ہے
یہ زمزم اس لئے ہے جس لئے اس کو پیے کوئی
اسی زَمزم میں جنت ہے اسی زَمزم میں کوثر ہے
شفا کیوں کر نہ پائیں نیم جاں زہر معاصی کے
کہ نظارہ عراقی رکن کا تریاقِ اَکبر ہے
صفائے قلب کے جلوے عیاں ہیں سعی مسعیٰ سے
یہاں کی بے قراری بھی سکونِ جانِ مضطر ہے
ہوا ہے پیر کا حج پیر نے جن سے شرف پایا
انہیں کے فضل سے دن جمعہ کا ہر دن سے بہتر ہے
نہیں کچھ جمعہ پر موقوف اَفضال و کرم اُن کے
جو وہ مقبول فرما لیں تو ہر حج حج اَکبر ہے
حسنؔ حج کر لیا کعبہ سے آنکھوں نے ضیا پائی
چلو دیکھیں وہ بستی جس کا رَستہ دِل کے اندر ہے

محسن بھوپالی

بے سبب لوگ بدلتے نہیں مَسکن اپنا
تُم نے جلتے ہُوئے دیکھا ہے نشیمن اپنا
کِس کڑے وقت میں موسم نے گواہی مانگی
جب گریبان ہی اپنا ہے نہ دامن اپنا
اپنے لُٹ جانے کا اِلزام کِسی کو کیا دُوں
میں ہی تھا راہنما، میں ہی تھا رہزن اپنا
کوئی مِلتا ہے جو اِس دَورِ پُرآشوب میں دوست
مشورے دے کے بنا لیتے ہیں دُشمن اپنا
جب بھی سچ بولتے بچّوں پہ نظر پڑتی ہے
یاد آ جاتا ہے بے ساختہ بچپن اپنا
یُوں کِیا کرتے ہیں لڑکوں کو نصیحت اکثر
جیسے ہم نے نہ گزارا ہو لڑکپن اپنا
رنگِ محفل کے لیے ہم نہیں بدلے محسنؔ!
وہی اندازِ تخیّل ہے، وہی فن اپنا

ڈاکٹر ثمیر کبیر

دھیمے دھیمے جلتی ہیں پرچھائیاں
ہجر یادیں اور یہ تنہائیاں
عشق نے دل پر مرے دی دستکیں
ناپنی ہیں عشق کی گہرا ئیاں
بجھ گئی آگ اور دھواں اٹھتا رہا
عشق کا حاصل ہے بس رسوائیاں
کون یہ کانوں میں گھولے ہے زہر
رات کے پچھلے پہر شہنا ئیاں
خواب پلکوں پر ہی ٹھہرے رہے گئے
زندگی نے ایسے لی انگڑائیاں
چاند کی کھڑکی کھلی ہے پھر کہیں
ٹھنڈی ٹھنڈی چل رہیں پروائیاں

مقصود جعفری

گزری تمام عُمر مری سوز و ساز میں
اک کیفِ سرمدی رہا میری نماز میں
یہ تیرا دل ہے جو کہ دلِ بے نیاز ہے
یہ میرا دل ہے جو کہ ہے عجز و نیاز میں
آتش کدے سے کم نہیں، وہ آہِ سوز ناک
سوزِ دروں جو پیدا ہو قلبِ گداز میں
جو بات دو دلوں میں ہو، کہتے ہیں اُس کو راز
عاشق کی جاں بھی جاتی ہے افشاء راز میں
ڈرتا ہوں اُس جبیں پہ نہ آئے کبھی شکن
کیسی شکن یہ آئی ہے زُلفِ دراز میں؟
اتنا بھی زندگی پہ بھروسہ کرو نہ تُم
سانسیں تو ٹُوٹ جاتی ہیں اِس حرص و آز میں
روکوں اِسے تو کس طرح روکوں میں جعفریؔ
دل لے گیا ہے پھر مجھے اُس بزمِ ناز میں

افتخار حسین افی

تیر، خنجر سے نہ تلوار سے ڈر لگتا ہے
عشق والوں کو کہاں دار سے ڈر لگتا ہے
تیرے گرتے ہوئے معیار سے ڈر لگتا ہے
مسخ ہوتے ہوئے کردار سے ڈر لگتا ہے
وحشت دل کو نہیں لفظوں میں ڈھلنے دیتا
مجھ کو جذبات کے اظہار سے ڈر لگتا ہے
اور جب سے مرے ہمدرد کھلے ہیں مجھ پر
کسی بھی غم نہیں غمخوار سے ڈر لگتا ہے
شوق گل بوسی میں وہ زخم لگے ہیں مجھ کو
پھول تو پھول ہیں مہکار سے ڈر لگتا ہے
کوئی چاہت بھی جتائے تو لرز اُٹھتا ہوں
مجھ کو نفرت سے نہیں پیار سے ڈر لگتا ہے
وہ مصور ہوں جو تصویر بنا بیٹھا اب
خود بنائے ہوئے شہکار سے ڈر لگتا ہے
اس قدر تیز بھگایا کہ تھکا ڈالا ہے
زندگی! اب تری رفتار سے ڈر لگتا ہے
کچھ بھی کہہ لینا مگر یار نہ کہنا افیؔ
اب تو اس لفظ کی تکرار سے ڈر لگتا ہے

رحمان فارس

سر بسر یار کی مرضی پہ فدا ہو جانا
کیا غضب کام ہے راضی بہ رضا ہو جانا
بند آنکھوں وہ چلے آئیں تو وا ہو جانا
اور یوں پھوٹ کے رونا کہ فنا ہو جانا
عشق میں کام نہیں زور زبردستی کا
جب بھی تم چاہو جدا ہونا جدا ہو جانا
تیری جانب ہے بتدریج ترقی میری
میرے ہونے کی ہے معراج ترا ہو جانا
تیرے آنے کی بشارت کے سوا کچھ بھی نہیں
باغ میں سوکھے درختوں کا ہرا ہو جانا
اک نشانی ہے کسی شہر کی بربادی کی
ناروا بات کا یک لخت روا ہو جانا
تنگ آجاؤں محبت سے تو گاہے گاہے
اچھا لگتا ہے مجھے تیرا خفا ہو جانا
سی دیئے جائیں مرے ہونٹ تو اے جانِ غزل
ایسا کرنا مری آنکھوں سے ادا ہو جانا
بے نیازی بھی وہی اور تعلق بھی وہی
تمہیں آتا ہے محبت میں خدا ہو جانا
اژدہا بن کے رگ و پے کو جکڑ لیتا ہے
اتنا آسان نہیں غم سے رہا ہو جانا
اچھے اچھوں پہ برے دن ہیں لہٰذا فارسؔ
اچھے ہونے سے تو اچھا ہے برا ہو جانا

ثاقب زیروی

راز بقائے زندگی کیا ہے مجھے بتا بھی دے
جینے کا ولولہ بھی دے جینے کا حوصلا بھی دے
عرصہ روزگار میں اُلجھا ہوا ہوں ذات سے
اے میرے ہادی ازل مجھکو میرا پتا بھی دے
طور بھی ایک امتحاں دار بھی ایک امتحاں
کب تک مگر یہ سلسلہ جلوہ رُخ دکھا بھی دے
محفل ہست و بود ہے کس کے لئے سجی ہوئی
محفلِ ہست و بود کا سر نہاں بتا بھی دے
کاسۂ شوق لے کے تو آیا ہے انکے رُوبرو

آنکھ سے التجا بھی کر دل سے انہیں صدا بھی دے
سوئی ہوئی ہے زندگی کھوئی ہوئی ہے زندگی
خواب زدہ حیات کو خوابوں سے تو جگا بھی دے
ظلمت غم میں تا بہ کے کوئی رہے یوں مبتلا
تاروں بھری حیات کا رستہ کبھی دکھا بھی دے
بخشش و عفو کا چمن جس سے بہار خیز ہو
مجھ سے گناہ گار کو ایسی کوئی سزا بھی دے
محفل کائنات سے ٹوٹے بھی حلقہ جمود
بربطِ صبح و شام کو نغمہ دل کشا بھی دے
قائم رہے تمام عمر دردِ وفا کا سلسلہ
ثاقبؔ خستہ حال کو وہ غم دیر پا بھی دے

منیر باجوہ

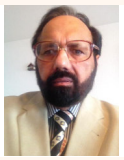

پایا ہے ہم نے ہزاروں جتن سے
پوچھو بھلا جا کے نیلے گگن سے
چمکتا ہے وہ بن کے سورج جہاں میں
نکلتی ہے لَو ہر روشن کِرن سے
اسکی آمد کا چرچا تھا پہلے ہی جگ میں
گونجتی تھی صدا ہر کوہ و دمن سے
اگر شک ہے پڑھ لو ہواؤں پہ لکھا
بتا دے گا خود، پوچھ لو تم زمَن سے
سنائے ہیں بلبل نے کیا خوب نغمے
سریلی ترنگ اُٹھ رہی ہے چمن سے
محبت کا تقاضا ہے ہو ملاقات مسلسل
صاف ہوتے ہیں دل باہم ملن سے
سدا زندگی میں ملے تم کو راحت
محبت کرو بڑھ کے اپنے سجن سے
نظر آئے جیون میں ہر گام سلیقہ
جو کام کرو، کرو دل کی لگن سے

گِر ہیں اُلجھنوں کی کھُلیں گی منیرؔ
اگر کام لو تم اپنے ذہن سے

علی تنہا

میں دستِ خالی کا بوجھ اُٹھائے
تمام یاروں کے پاس پہنچا
میں اپنے پیاروں کے پاس آیا
میں غمگساروں کے پاس پہنچا
خزاں کی رُت میں بہار تھے جو
دل و نظر کا قرار تھے جو
میں اُن نظاروں کے پاس پہنچا
جو بات کرتے تھے عمر بھر کی
شبِ سیہ میں جو روشنی تھے
یقینِ کامل کو دل میں لے کر
میں اُن ستاروں کے پاس پہنچا
مگر تراشے ہیں عذر سب نے
کسی نے بڑھ کر نہ ہاتھ تھاما
اُمنڈتے اشکوں کی اوٹ سے جب
میں خالی جیبوں کو تک رہا تھا
تو اُس سمے میں وجود میرا
ہزار ٹکڑوں میں بٹ رہا تھا
میں اپنی حسرت کا خون کر کے
کسی کو سینے لگاؤں کیسے
میں عید آخر مناؤں کیسے؟

اریبہ ایمان

جو نشیمن تھے ہمارے آگ میں جلتے رہے
دل شکستہ قافلے کو غم لیے بڑھتے رہے
مول کتنے ہی جوانوں کے لگائے رنج نے
خون سے تقدیر اپنی بارہا لکھتے رہے
اک قفس میں بند تھے سب تیر ہی میرے لیے
جو نشانے ٹھیک نا تھے سب مجھے لگتے رہے
لفظ کی محفل سجی ہتھیار بھی بننے لگے
پاس سب شاعر کھڑے ان پر بہت ہنستے رہے
ساز میرے گیت کے تیرے لبوں پر ہوں کبھی
اک خلش دل میں لیے ہم زیست کو جیتے رہے

پیر نصیر الدین شاہ

ان کے انداز کرم، ان پہ وہ آنا دل کا
ہائے وہ وقت، وہ باتیں، وہ زمانا دل کا
نہ سنا اس نے توجہ سے فسانا دل کا
زندگی گزری، مگر درد نہ جانا دل کا
کچھ نئی بات نہیں حُسن پہ آنا دل کا
مشغلہ ہے یہ نہایت ہی پرانا دل کا
وہ محبت کی شروعات، وہ بے تھاشہ خوشی
دیکھ کر ان کو وہ پھولے نہ سمانا دل کا
دل لگی، دل کی لگی بن کے مٹا دیتی ہے
روگ دشمن کو بھی یارب! نہ لگانا دل کا
ایک تو میرے مقدر کو بگاڑا اس نے
اور پھر اس پہ غضب ہنس کے بنانا دل کا
میرے پہلو میں نہیں، آپ کی مٹھی میں نہیں
بے ٹھکانے ہے بہت دن سے، ٹھکانا دل کا
وہ بھی اپنے نہ ہوئے، دل بھی گیا ہاتھوں سے
''ایسے آنے سے تو بہتر تھا نہ آنا دل کا''
خوب ہیں آپ بہت خوب، مگر یاد رہے
زیب دیتا نہیں ایسوں کو ستانا دل کا

بے جھجک آ کے ملو، ہنس کے ملاؤ آنکھیں
آؤ ہم تم کو سکھاتے ہیں ملانا دل کا
نقش بر آب نہیں، وہم نہیں، خواب نہیں
آپ کیوں کھیل سمجھتے ہیں مٹانا دل کا
حسرتیں خاک ہوئیں، مٹ گئے ارماں سارے
لٹ گیا کوچۂ جاناں میں خزانا دل کا
لے چلا ہے مرے پہلو سے بصد شوق کوئی
اب تو ممکن نہیں لوٹ کے آنا دل کا
ان کی محفل میں نصیر! ان کے تبسم کی قسم
دیکھتے رہ گئے ہم، ہاتھ سے جانا دل کا
میرے خلاف عدالت بھی تھی زمانہ بھی

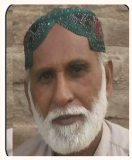

امین اوڈیرائی

جب ندامت نَفَس کو پھانستی ہے
دل کے برتن کو خوب مانجتی ہے
ہم نے دیکھی ہے زندگی صاحب!
روز گلیوں میں بھیک مانگتی ہے
تم نے سوچا بھی ہے کبھی دنیا
کس کسوٹی پہ ہم کو جانچتی ہے
ہم نے دیکھے ہیں ایسے گھر کہ جہاں
بے بسی کھڑکیوں سے جھانکتی ہے
پانچ بیٹوں کی ماں ہے وہ لوگو!
تنہا گھر میں جو بیٹھی کھانستی ہے
شام ہوتے ہی تیری یاد امینؔ
میری پلکوں پہ اشک ٹانکتی ہے

***

مری جاناں تمہارے بِن
کبھی جو سانس لیتا ہوں
بڑی دشواری ہوتی ہے
مری جاناں تمہارے بِن
کبھی جو یاد آتی ہے
تو دل کو چیر جاتی ہے
بھلا یہ کیسی چاہت ہے
سکوں ہے اب نہ راحت ہے
مری جاناں تمہارے بِن
بہاریں مجھ سے روٹھی ہیں
خزائیں آن بیٹھی ہیں
مری جاناں تمہارے بِن
یہ دل ہے جو دھڑکتا ہے
کہ اک شعلہ بھڑکتا ہے
جو سب دُکھ میں نے جھیلے ہیں
مجھے وہ درد لکھنے ہیں
جو سب لوگوں نے پڑھنے ہیں
جو سب لوگوں نے چکھنے ہیں
مری جاناں تمہارے بِن
فلک میں جو ستارے ہیں
بڑے اچھے نظارے ہیں
مجھے لگتے شرارے ہیں
مری جاناں تمہارے بن
مری جاناں تمہارے بن

ڈاکٹر شہباز امبر رانجھا

جب وفا بھی طبیعت پہ گراں ہو
کاہے روز نزاکت کا گماں ہو
میں لہو سے جلاؤں گا دیئے سب
وہ جگہ تو دکھا دے کہ کہاں ہو
اب ارادے جو کچھ باندھ لئے ہیں
آسماں پہ کسی کا تو نشاں ہو
لفظ و سوچ حفاظت میں اگر ہے
اب دراز مری اور زباں ہو
چھوڑ جاؤ کسی پل جو خرابا
بام و در پہ پیا کا بھی مکاں ہو
پھول اک تو ترے نام کروں گا
جو کہ آب تلاوت میں جواں ہو
ہر نگاہ ڈھلے نور سے امبرؔ
کب اسیر صنم ایک جہاں ہو

نوید کیفؔ حافظ

ایسے شہروں میں مرے جیسے کہاں رہتے ہیں
ہاں مگر ذہن میں کچھ وہم و گماں رہتے ہیں
یہ جو مُڑ جاتے ہیں پاؤں بھی مرے، رستے بھی
صاف لگتا ہے کہ آسیب یہاں رہتے ہیں
آزما شوق سے ہر حیلۂ دہشت مجھ پر
یاد رکھنا کہ تشدد کے نشاں رہتے ہیں
آ کے اب دیکھ یہ امراض کے پروردہ نفوس
تجھ کو شک تھا کہ یہاں چارہ گراں رہتے ہیں
ان کی اک اور نشانی ہے بجز نامعلوم
وہ جگہ ویسی نہیں رہتی جہاں رہتے ہیں
یہ الگ بات کہ رہتا نہیں شاعر کوئی
پر کراچی میں ابھی اہلِ زباں رہتے ہیں
جن کے دل اجلے رہیں میل نہ آئے جن پر
عمر بھر خوب حسیں، خوب جواں رہتے ہیں
اب مرا نام بھی لینے سے گئے شہر کے لوگ
کوئی پوچھے تو یہ کہتے ہیں فلاں رہتے ہیں
بس یہی پانچ برس بعد کہے گی خلقت
اسی سالوں سے یہاں نوحہ کُناں رہتے ہیں

راحت اندوری

روز تاروں کو نمائش میں خلل پڑتا ہے
چاند پاگل ہے اندھیرے میں نکل پڑتا ہے
ایک دیوانہ مسافر ہے مری آنکھوں میں
وقت بے وقت ٹھہر جاتا ہے چل پڑتا ہے
اپنی تعبیر کے چکر میں مرا جاگتا خواب
روز سورج کی طرح گھر سے نکل پڑتا ہے
روز پتھر کی حمایت میں غزل لکھتے ہیں
روز شیشوں سے کوئی کام نکل پڑتا ہے
اس کی یاد آئی ہے سانسو ذرا آہستہ چلو
دھڑکنوں سے بھی عبادت میں خلل پڑتا ہے

حضرت بابا ذہین شاہ تاجیؒ

تُو نے دیوانہ بنایا تو میں دیوانہ بنا
اب مجھے ہوش کی دنیا میں تماشا نہ بنا
یوسفِ مصرِ تمنا تیرے جلوؤں کے نثار
میری بیداریوں کو خوابِ زلیخا نہ بنا
ذوقِ بربادیٔ دل کو بھی نہ کر تُو برباد
دل کی اُجڑی ہوئی بگڑی ہوئی دنیا نہ بنا
عشق میں دیدہ و دل شیشہ و پیمانہ بنا
جُھوم کر بیٹھ گئے ہم وہیں میخانہ بنا
یہ تمنا ہے کہ آزادِ تمنا ہی رہوں
دلِ مایوس کو مانوسِ تمنا نہ بنا
نگہِ ناز سے پوچھیں گے کسی دن یہ ذہین
تُو نے کیا کیا نہ بنایا کوئی کیا کیا نہ بنا

طارق انور

مری ہجرتوں نے وطن میں مجھ کو حراستوں سے بچا لیا
ملا سائباں کہیں اور جس نے تمازتوں سے بچا لیا
مرے والدین کو علم تھا، ملی روشنی وہ شعور کی
دیا علم ایسا کہ مولوی کی جہالتوں سے بچا لیا
کِیا رب سے مجھ کو یوں آشنا، مجھے آگہی کا دیا سبق
مجھے بے لگام معاشرے کی کثافتوں سے بچا لیا
مجھے رہنما وہ ملا، چلا، مرے ساتھ ہاتھ وہ تھام کر
ہوا نوجواں تو اسی نے کتنی حماقتوں سے بچا لیا
نہیں آ سکا میں اگر یہاں کسی دلرُبا کے فریب میں
مرے سر پہ میرا خدا رہا بُری ساعتوں سے بچا لیا
مرے دست و پا لئے آزما، نہ ہلا سکے مجھے ابتلا
مری تربیت تھی جو سخت اُس نے ہلاکتوں سے بچا لیا
سبھی جانتے ہیں کہ ایک عرصے سے ووٹ کا نہیں حق مجھے
مجھے کیا گلہ مرے ربّ نے گندی سیاستوں سے بچا لیا
جو ملا ہے ورثہ وہ دین کا ہے تو شکر اس پہ بہت کرو
جو کِیا الگ تو خصومتوں کی وراثتوں سے بچا لیا

احمد فراز

اب آستین بھی سلامت ہے آستانہ بھی
سنا ہے لوگ اسے آنکھ بھر کے دیکھتے ہیں
سو اس کے شہر میں کچھ دن ٹھہر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے ربط ہے اس کو خراب حالوں سے
سو اپنے آپ کو برباد کر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے درد کی گاہک ہے چشمِ ناز اس کی
سو ہم بھی اس کی گلی سے گزر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے اس کو بھی ہے شعر و شاعری سے شغف
سو ہم بھی معجزے اپنے ہنر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے بولے تو باتوں سے پھول جھڑتے ہیں
یہ بات ہے تو چلو بات کر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے رات اسے چاند تکتا رہتا ہے
ستارے بامِ فلک سے اُتر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے دن کو اسے تتلیاں ستاتی ہیں
سنا ہے رات کو جگنو ٹھہر کے دیکھتے ہیں
کہانیاں ہی سہی سب مبالغے ہی سہی
اگر وہ خواب ہے تعبیر کر کے دیکھتے ہیں
اب اس کے شہر میں ٹھہریں کہ کوچ کر جائیں
فرازؔ آؤ ستارے سفر کے دیکھتے ہیں

فیضان عارف

ہوائیں گیت گاتی ہیں
بدلتے موسموں کے انگنت قصے سناتی ہیں
شجر سے زرد پتوں کو گرا کر مسکراتی ہیں
ہوائیں گیت گاتی ہیں
تھکے ہارے مسافر شام ڈھلتے ہی
کسی صحرا میں جب اپنا پڑاؤ ڈال دیتے ہیں
تو صحرا کی ہوائیں
ہر مسافر کا سندیسہ لے کے آتی ہیں
انہیں جا کر سناتی ہیں
جو اپنے گھر کی چوکھٹ پر
کسی کی راہ تکتے ہیں
جو اکثر شام ڈھلتے ہی
چراغ دل منڈیروں پر جلاتے ہیں
کسی کے لوٹ آنے کی تمنا میں
بڑے صدمے اُٹھاتے ہیں
ہوائیں بے یقین ان منتظر آنکھوں کو جب چھو کر گزرتی ہیں
تو ان میں اعتبار اور آرزوؤں کے ستارے جھلملاتی ہیں
ہوائیں گیت گاتی ہیں

ہنس کے گزاردی۔ ثاقب زیروی

وہ جو گردسی تھی جمی ہوئی وہ جبیں سے ہم نے اُتاردی
شب غم اگر چہ طویل تھی شب غم بھی ہنس کے گزاردی
تیری عظمتوں کا جواب کیا تیری رحمتوں کا حساب کیا
انہیں جنتوں کی نوید دی جنہیں شان صبر و قرار دی
بھلا کیوں بقائے دوام کو نہ ہو ناز اُن کے وجود پر
وہ جنہوں نے جاں سی عزیز شے بھی تیرے حبیب پہ واردی
کبھی یوں بھی لیتے ہیں امتحاں کہ لٹاو دولت جسم وجاں
کبھی یوں بھی کرتے ہیں وہ کرم طلب ایک شے کی ہزار دی
نہ بجھا سکیں انہیں آندھیاں جو چراغ ہم نے جلائے تھے
کبھی لو ذرا سی جو کم ہوئی تو لہو سے ہم نے اُبھار دی
ہے تیری عطا ہے تیرا کرم کہ تیری نظر میں ہیں محترم
دیا تو نے ضبط کا حوصلہ ہمیں تو نے غم کی سہار دی
وہی ٹھہرے مورد کفر بھی جنہیں دین جاں سے عزیز تھا
وہی خاربن کے کھٹک رہے ہیں جنہوں نے فصل بہاردی
میرے زخم جس میں نہاں رہے مرا درد جس میں چھپا رہا
میرے چارہ گر تیرا شکر یہ وہ قبا بھی تو نے اتار دی
نہیں کوئی اب سرِ رہگذر چلے آئیں راہر و بے خطر
جو شب ستم تھی دھواں دھواں وہ لہو سے ہم نے نکھاردی
ذرا دیکھ ثاقبؔ بے نوا یہ اسی نگاہ کا فیض ہے
تیری رُوسیاہی تو دُھل گئی تیری عاقبت تو سنوار دی

عائشہ

عید قرباں پے خواہشوں کو قربان کرنے کا درس دینا
غریب وغرباء سے جان اپنی چھوڑا کے رکھنا کمال یہ ہے
کسی کو دینا یہ مشورہ کہ خدا کی راہ میں خرچ کرے وہ
اور ایسے لمحے میں اپنے پیسے بچا کے رکھنا کمال یہ ہے
گلی محلے میں ہونے والی قربانیوں کا حساب رکھنا
اور بکرے کا سارہ گوشت چھپا کے رکھنا کمال یہ ہے
یہ بات سبکو سمجھائے جانا ھے باسی گوشت زہر کی مانند
ڈی فریزر کے سارے خانے دبا کے بھرنا کمال یہ ہے
کچھ ایسے بھی ہیں جو گائے لیتے ہی توڑ دیتے ہیں سب تعلق
عید الاضحیٰ پہ ان سے تعلق بنائے رکھنا کمال یہ ہے
ذبح تو کرتے ہیں گائے لیکن وہ کھال بکرے کی ہیں دکھاتے
تین دن انکے گھر پہ پہرہ بٹھائے رکھنا کمال یہ ہے

میرے سر پہ ہے یہ گناہ بھی۔ ثاقب زیروی

یہ بجا کہ راستہ پُر خطر ہے ستم کی رات سیاہ بھی
مگر اہل دل کو ہو فکر کیوں کہ جنوں ہے مشعل راہ بھی
مجھے ناز انکی ہی چاہ پر وہی جن کی ایک نگاہ پر
یہ متابع دیدہ و دل تو کیا ہے نثار عزت وجاہ بھی
یہ عجیب طرح کا دور ہے کہ جہاں کا رنگ ہی اور ہے
یہاں اعتبار ثواب کیا نہیں اعتبار گناہ بھی
چلیں نفرتوں کی وہ آندھیاں کہ چراغ پیار کے بجھ گئے
نہ دکھائی دے کوئی روشنی نہ سجھائی دے کوئی راہ بھی
وہی آسماں ہے وہی زمیں پہ سکوں کا نام ونشاں نہیں
کہاں جاکے سر کو چھپایئے نہیں کوئی جائے پناہ بھی
جو گزر گئی ہیں قیامتیں نہ کہیں گئے اُن کی حکائتیں
کوئی کرلے ظلم کی انتہا نہ کریں گے ہم کوئی آہ بھی
جو لگے تھے زخم وہ سی لئے جو ملے تھے اشک پی لئے
در شکوہ سارے ہی بند ہیں نہ سنو گے دل کی کراہ بھی
انہیں اعتبار وفا نہیں ہمیں اعتبار ستم تو ہے
ہے انہی کے لطف کا آئینہ یہ ہمارا حال تباہ بھی
میں ہوں خرقہ پوش تو کیا ہوا مرادل ہے صورت آئینہ
جو حریف تاج و سر یر ہے میرے سر پہ ہے وہ کلاہ بھی
میں فدائے دین ہدیٰ بھی ہوں اور مصطفیٰ کا گدا بھی ہوں
میری فرد جرم میں درج ہو میرے سر یہ ہے یہ گناہ بھی
تیرے پاس ثاقبؔ بے نوا ہیں یہ سب خدا کی امانتیں
اسی در پہ جاکے جھکائیو یہ جبیں بھی دل بھی نگاہ بھی

دھنک لندن کے زیر اہتمام سید شبیر احمد کی تصنیف "مکتب عشق" کی تقریب رونمائی

رپورٹ: ادارہ (فوٹو: نسیم احمد میر)

دھنک لندن نے سینٹرل لندن کے ہال میں آزاد کشمیر کے ممتاز کالم نگار، مصنف اور یونائیٹڈ بینک کے سابق ریجنل چیف سید شبیر احمد کی نئی کتاب "مکتبِ عشق" کی تقریبِ رونمائی کا اہتمام کیا۔ نئی روایات قائم کرنے والا انٹرنیشنل ادارہ دھنک لندن کی تقریب کا آغاز بھی بڑے غیر روایتی انداز میں ہوا۔ تقریب کا پہلا گھنٹا مہمانوں کے تعارف، ملنے ملانے، ریفرشمنٹ اور فوٹو گرافی کے لیے مختص کیا گیا تھا۔ مہمانوں کے لیے طعام کا بندوبست ہال کی پہلی منزل پر کیا گیا تھا۔ گلوبل پاک کشمیر سپریم کونسل کے تعاون سے تقریب کا اہتمام کرتے ہوئے چیئرمین راجہ سکندر خان نے مہمانان گرامی کی تشریف آوری پر ان کا شکریہ کرتے ہوئے سید شبیر احمد کے پوتے سید عبداللہ حسن کے لئے سٹیج پر بلایا۔ تلاوت قران مجید کے بعد راجہ سکندر نے ادارہ دھنک لندن کی روح رواں سیدہ کوثر کا مختصر تعارف پیش کرتے ہوئے انھیں تقریب کی نظامت سنبھالنے اور تقریب کے باقاعدہ آغاز کی دعوت دی۔ سیّدہ کوثر نے تقریب کی نظامت سنبھالی اور سب سے پہلے کتاب کی رونمائی کے لیے صاحبِ کتاب کی پوتی سیدہ نور فاطمہ کو سٹیج پر بلایا اور ننھی شہزادی سے دیدہ زیب غلاف میں لپٹی کتاب "مکتب عشق" کی رونمائی کروائی۔ سیدہ کوثر نے روایت سے ہٹ کر تقریب کی مہمان خصوصی اور صدر محفل کتاب خود یعنی مکتب عشق کو مسند صدارت پر بٹھایا۔ سید شبیر احمد اور ان کے اہل خانہ، پروگرام کی میزبان سیدہ کوثر، راجہ سکندر خان نے سٹیج پر آ کر تالیوں کی گونج میں یہ مصنف کی تصویر سے مزین کیک کاٹا گیا۔ سیدہ کوثر نے کتاب کے مصنف سید شبیر احمد کا مختصر تعارف پیش کرنے کے ساتھ مکتب عشق اور تصوف پر مختصر بات کی۔ تقریب میں تقاریر کا سلسلہ شروع کرتے ہوئے انھوں نے صاحبِ کتاب کے پوتے سید عبداللہ حسن کو سٹیج پر بلایا۔ گرائمر سکول کے طالب علم حافظ قران عبداللہ نے بڑے مختصر مگر خوبصورت انداز میں سید شبیر احمد پر بات کی۔ ڈاکٹر سدرہ حسن صاحبِ کتاب کی بڑی بیٹی برطانیہ میں این ایچ ایس سے وابستہ ہیں نے اپنی تقریر میں اپنے والد کی زندگی کے مختلف پہلو پر خوبصورت باتیں کر کے حاضرین سے داد وصول کی۔

ممتاز مصنف، ادیب اور سفرنامہ نگار یعقوب نظامی بوجہ تقریب میں نہ آ سکے۔ ان کا لکھا ہوا کتاب پر مختصر مگر جامع مضمون تقریب میں ریڈیو براڈ کاسٹر اور نوجوان وکیل سید محمد عارف نے پڑھ کر سنایا۔ راجہ سکندر خان گلوبل پاکستان کشمیر سپریم کونسل کے چیئرمین ہیں، وہ محفل کے شریک میزبان بھی تھے۔ وہ سید شبیر احمد کے بچپن کے دوست ہیں۔ انھوں نے مصنف کی زندگی کا احاطہ کرتے ہوئے مصنف کے بچپن کی کافی سی دلچسپ باتوں کے ساتھ ساتھ ان کی زندگی کے ابتدائی دنوں کی جدوجہد پر بھی بات کی۔ سید شبیر احمد کے بینک کے ساتھی محمد یوسف کیانی نے ان کے ساتھ بینک میں گزرے ہوئے وقت اور ان کی کتاب پر مختصر بات کی۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد عارف خان گورنمنٹ کالج میرپور کے پرنسپل اور میاں محمد بخش لائبریری کے ایکس ڈائریکٹر جنرل ماہر اقبالیات نے کتاب پر سیر حاصل گفتگو کی۔ مصنف کی

زوجہ حمیرا شبیر نے اپنے شریک سفر سید شبیر احمد کی زندگی سے جڑی چند باتوں پر بات کی اور کتاب لکھنے اور مرتب ہونے کے کافی سے واقعات بیان کیے۔ سید شبیر احمد جب اپنے خیالات کا اظہار کرنے روسٹرم پر آئے تو سامعین نے تالیوں کی گونج میں کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا۔ انھوں نے کتاب کی تیاری کے مختلف مراحل پر اور عشق حقیقی سمیت تمام جہتوں پر تفصیل سے بات کی۔ تقریب کے آخری مرحلے میں دھنک لندن کی طرف سے سید شبیر احمد کو مکتب عشق جیسی خوبصورت کتاب لکھنے پر دھنک لندن کی روح رواں سیدہ کوثر جانب سے ایک انتہائی دیدہ زیب اور یادگاری شیلڈ پیش کی گئی۔ مشتاق لاشاری (سی بی ای) سمیت سندھ ہائی کورٹ کے ریٹائرڈ جج خواجہ نوید اور ممتاز پاکستانی ماہر تعلیم اور گورنمنٹ کالج لاہور کے پروفیسر ڈاکٹر سعادت سعید نے تقریب کو رونق بخشی۔ اس تقریب کی ایک منفرد خصوصیت صاحبِ کتاب کی خاتون خانہ، بیٹیوں، بہو اور خاندان کے افراد کی شرکت تھی۔ لندن کے ممتاز جرنلسٹ افتخار قیصر، سابق میئر والتھم سٹو چوہدری لیاقت علی (ایم بی ای)، چیئرمین برٹش مسلم فرینڈشپ چودھری شوکت علی، پروفیسر پرویز اختر، راجہ شاہد اختر، عبدالغفار راجپوت، طارق کلیم بھٹی، ارشد لطیف، مسعود احمد، عمر انور چودھری کے علاوہ سولیسٹر رومانہ کوثر، پی پی پی لندن کی وائس پریزیڈنٹ شگفتہ نسرین، اور علمی و ادبی شاعرہ شفقت پروین نے شرکت کر کے محفل کو رونق بخشی۔ تحریک کشمیر برطانیہ کی سرگرم رکن اور وکیل ریحانہ علی، لارڈ پاشا، عمر انور چودھری، امیر الدین ابڑو، ذوالفقار علی بھٹو، خدمت لیگ کے چیئرمین بیرسٹر محمود حسین، ممتاز شاعر انجم پرویز، مطلوب خوشی، شاہد حسین چوہدری، راجہ ذوالفقار علی، خرم خان، دین محمد اور ہائی ویکمب سے راجہ ظفر اقبال، تصور اقبال کے علاوہ اس پروقار اور خوبصورت تقریب میں لندن شہر کی صحافتی، ادبی، سیاسی اور سماجی شخصیات کی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی۔

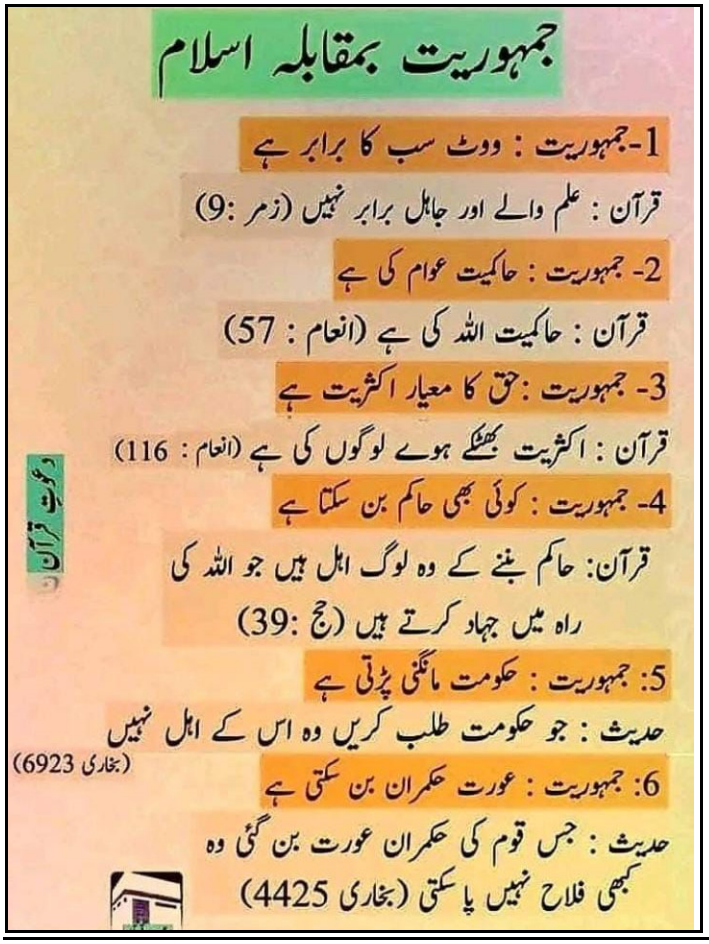

(انشائیہ)

انداز بیاں

امجد مرزا امجد (لندن)

ہر بولنے والے انسان کا اپنا اپنا انداز بیان ہے جو کئی بار بڑی دلچسپی پیدا کرتا ہے کئی لوگوں کا کوئی نہ کوئی تکیہ کلام ہوتا ہے۔ کیا اردو اور کیا پنجابی ان دونوں زبانوں میں بے شمار مہمل اور بے مقصد الفاظ کو تکیہ کلام کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اب یہ عقدہ تو کوئی ماہر نفسیات ہی کھولے گا کہ لوگ تکیہ کلام کیوں استعمال کرتے ہیں۔ مگر کرتے ضرور ہیں اور خوب کرتے ہیں۔ اس طرح کئی الفاظ الٹے استعمال کئے جاتے ہیں اور کئی دوہرے الفاظ بھی۔ یعنی بات کرنے والا اردو اور انگریزی کے ایک معنی کے الفاظ ایک ہی مقصد کیلئے استعمال کرتا ہے جیسے ایک صاحب فرما رہے تھے۔

''یار مغل اعظم میں مدھو بالا کی سکرین بیوٹی کتنی خوبصورت تھی...''

''میں ڈیلی روزانہ اپنے گھر والوں کو فون کرتا ہوں...''

''میں نے ماں باپ والدین کی بہت خدمت کی ہے۔'' جب ہم نے ہنس کر پوچھا کہ آپ کے ماں باپ اور والدین اکٹھے ہی رہتے ہیں یا الگ الگ...؟ تو وہ غصہ کر گئے۔

ایک دوست انگلینڈ آئے تو اپنے طرز بیان کو اس طرح اپنا لیا۔

'' آئیسیڈ ٹو مائی وائف، میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ وین یو گو فار شاپنگ تم جب شاپنگ کیلئے جاؤ تو پلیز بائی فارمی اے نائیس پین میرے لئے ایک پین خرید لانا...'' ہم نے انہیں ٹوک دیا۔

''بھئی کیا تم ایک زبان میں بات نہیں کر سکتے تو فوراً بولے۔'' دس بی کیم مائی ہیبٹ یار یہ میری عادت بن گئی ہے آئی ڈونٹ نو وٹ شُڈ آئی ڈو؟ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ میں کیا کروں...''

یہ حضرت ہمیشہ انگریزی مع ترجمے کے بولتے تھے اور نہ ہی شرماتے چاہے جتنا بھی ٹوکو۔

اسی طرح تکیہ کلام بھی کچھ دوستوں کا ایسے تھا کہ سن کر ہنسی پھوٹ پڑتی۔

ہمارے ایک ملک صاحب تھے وہ ہر بات اس طرح شروع کرتے۔

''دیکھو جی گل میں تسانوں صحیح دساں۔'' (دیکھو جی بات میں آپ کو صحیح بتاؤں!) اور پھر اصل بات کہتے ہر دوسرے تیسرے فقرے کے بعد پھر یہی دوہراتے اور کئی بار اتنی بار دوہراتے کہ مخاطب کو ان کی کوئی بات بھی صحیح نہ لگتی۔

انگلینڈ میں جب ہم نئے نئے آئے تو انگریزی بولنے میں بہت جھجک ہوتی اور یہ تکیہ کلام اکثر لوگوں کی زبان پر ہوتا جس سے وہ اپنی بات کی ابتدا کرتے۔

''یونو.. (تم جانتے ہو) پھر ذرا سوچ کر الفاظ تلاش کرتے اور اپنا مدعا بیان کرنے کی کوشش کرتے۔ فیکٹری میں ایک انگریز فورمین کو ہماری اس کمزوری کا علم تھا اور جب کوئی اپنی بات شروع کرتا اور کہتا ''یونو'' تو وہ گورا'' ایس آئی نو'' کہہ کر مسکراتا آگے بڑھ جاتا۔ اب بھی اکثر لوگ ''یونو'' اتنی کثرت سے استعمال کرتے ہیں کہ احساس ہونے لگتا ہے کہ شاید ہم کچھ بھی نہیں جانتے۔

انگریز اپنی زبان میں ''ایف ایف'' کا لفظ بہت زیادہ استعمال کرتے ہیں (جو اصل میں ایک گالی ہے) اور شروع شروع میں وہ اپنی روانی میں یہ لفظ کہہ دیتے تو ہمارے بھائی میخ پا ہو جاتے کہ تم نے ہمیں گالی دی ہے۔ اس بات پر کئی بار یار لوگ منیجر کے پاس تک اپنے فورمین یا کسی گورے ساتھی کی شکایت لے کر جاتے تو وہ مسکرا کر رہ جاتا۔ مگر پھر رفتہ رفتہ ہم لوگ اس الفاظ کے اس طرح عادی ہو گئے کہ یہ اردو اور پنجابی کی بھی زینت بن گیا۔ اب اپنے لوگ بھی اپنی زبان میں بات کرتے اسے پوری فراخدلی کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔

ورنہ سوچا جائے تو ہم دیسی لوگ اپنی عام زبان میں وہ گالیاں تکیہ کلام کے طور پر استعمال کرتے ہیں جنہیں انگریزی میں ترجمہ کر کے گوروں کو سنائی جائیں تو وہ توبہ توبہ کہہ اٹھیں...

ہم لوگ ساٹھ کے عشرے میں آئے انگریزی میں معمولی سی وہ بات بھی گالی لگتی تھی جو یہ لوگ تکیہ کلام کے طور پر بولتے تھے مگر آج کے دور میں ہمارے بچے آپس میں باتیں کرتے ان انگریزوں کے اس گندے تکیہ کلام کے ساتھ ساتھ اپنی زبان کی وہ گالیاں بھی بے دریغ استعمال کرتے ہیں کہ ہاتھ کانوں کو چھونے لگتے ہیں۔ آنکھیں بند ہونے لگتی ہیں اور منہ کھل جاتا ہے۔

ہر قوم کے بات کرنے کا اپنا اپنا انداز ہے۔ کئی زبان سے زیادہ ہاتھوں سے باتیں کرتے ہیں۔ بار بار کندھے اچکا کر بار سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں بندر کی طرح ناچ ناچنا شروع ہو جاتے ہیں۔ بار بار مخاطب کو پکڑ کر اپنی بات سمجھانا۔ ہاتھ پہ ہاتھ مارنا بیٹھے ہوئے ہوں تو ران پر ہاتھ مار مار کر سرخ کر دینا۔ ہمارے ایک دوست تو باتوں کے ساتھ مخاطب کا چہرہ بار بار اپنے

ہاتھ سے اپنی طرف موڑنے کی کوشش میں لگے رہتے۔ ذرا دائیں بائیں کیا دیکھا انہوں نے جھٹ اپنے ہاتھ سے تھوڑی پکڑ کے پھر اپنی طرف گھما لیا۔ اور ساتھ اپنا تکیہ کلام کہ ''میری بات سن رہے ہو نا؟''

کئی دوستوں کو بات کرتے وقت یہی خدشہ رہتا ہے کہ مخاطب ان کی طرف توجہ نہیں دے رہا ہے۔ لہٰذا باتوں کے دوران وہ اکثر ایسے جملے دہراتے رہتے ہیں۔

''سمجھ آئی نا؟''

''میری بات سنی نا؟''

''کیوں کیا خیال ہے؟''

''مطلب ہے!''

''متے کہ'' (مطلب ہے)

بہرحال ہر متکلم کو اپنے کلام کیلئے کسی نہ کسی تکیے کی ضرورت پڑتی ہے تا کہ جب تک اس کا شعور کوئی دوسری بات تیار کر کے زبان کو بھیجے اتنی دیر میں وہ کلام کے تکئے پر تکیہ کرے۔

پھر وہ ایک ایسا الفاظ یا فقرہ گھڑ لیتا ہے جو اس کی عادت بن جاتا ہے۔ اور یہ عادت ایک دلچسپی کی علامت بن کر اس کے دوستوں میں اس کی نشاندہی کرتی ہے۔

***

برّصغیر پاک و ہند کے ممتاز ادیب

مرزا فرحت اللہ بیگ

(ولادت 1886ء وفات 1947ء) اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

''اب ایک ایسے شخص سے میرے ملنے کا حال سنیے جو اپنے فرقہ میں نبی سمجھا جاتا ہے اور دوسرے فرقہ والے خدا جانے اس کو کیا کچھ نہیں کہتے۔ یہ کون ہے۔ جناب مرزا غلام احمد قادیانی بانی فرقہ احمدیہ۔ ان سے میرا رشتہ یہ ہے کہ میری خالہ زاد بہن ان سے منسوب تھیں اس لئے یہ جب کبھی دلّی آتے تو مجھے ضرور بُلا بھیجتے اور پانچ روپے دیتے چنانچہ دو تین دفعہ ان سے میرا ملنا ہوا مگر میں یقین دلاتا ہوں کہ انہوں نے کبھی مجھ سے ایسی گفتگو نہیں کی جس کو تبلیغ کہا جا سکے۔ میں اس زمانے میں ایف اے میں پڑھتا تھا۔ زیادہ تر مسلمانوں کی تعلیم کا ذکر ہوتا تھا اور اس پر وہ افسوس ظاہر کیا کرتے تھے کہ مسلمان اپنی مذہبی تعلیم سے بالکل بے خبر ہیں اور جب تک مذہبی تعلیم عام نہ ہوگی اس وقت تک مسلمان ترقی کی راہ سے ہٹے رہیں گے۔

میرے ایک چچا تھے جن کا نام مرزا عنایت اللہ بیگ تھا۔ یہ بڑے فقیر دوست تھے۔ تمام ہندوستان کا سفر فقیروں سے ملنے کے لئے کیا۔ بڑی بڑی سخت ریاضتیں کیں۔ چنانچہ اس سے ان کی محنت کا اندازہ کر لیجئے کہ تقریباً چالیس سال تک یہ رات کو نہیں سوئے۔ صبح کی نماز پڑھ کر دو اڑھائی گھنٹے کے لئے سو جاتے ورنہ سارا وقت یادِ الٰہی میں گزارتے۔

ایک دن میں جو مرزا غلام احمد کے ہاں جانے لگا تو چچا صاحب قبلہ نے مجھ سے کہا ''بیٹا میرا ایک کام ہے وہ کر دو اور وہ کام یہ ہے کہ جن صاحب سے تم ملنے جا رہے ہو ان کی آنکھوں کو دیکھو کہ کس رنگ کی ہیں۔'' میں سمجھا بھی نہیں اس سے ان کا کیا مطلب ہے۔ مگر جب مرزا صاحب کے پاس گیا تو بڑے غور سے ان کی آنکھوں کو دیکھتا رہا۔ میں نے دیکھا کہ ان کی آنکھوں میں سبز رنگ کا پانی گردش کرتا معلوم ہوتا ہے۔ اسی سلسلے میں مَیں نے خود بھی ان کو ذرا غور سے دیکھا کیونکہ اس سے پہلے جو میں ان کے پاس جاتا تھا تو ہمیشہ نیچی آنکھیں کر کے بیٹھتا تھا اس دفعہ میں نے دیکھا ان کا چہرہ بہت بارونق تھا سر پر کوئی دو، دو انگل کے بال ہیں۔ داڑھی خاصی نیچی ہے۔ آنکھیں جُھکی جُھکی ہیں۔ بات کرتے ہیں تو بہت متانت سے کرتے ہیں۔ مگر بعض وقت جھلا بھی جاتے ہیں۔ بہرحال وہاں سے واپس آنے کے بعد میں نے چچا صاحب قبلہ سے تمام واقعات بیان کئے۔ ''فرحت دیکھو اس شخص کو بُرا کبھی نہ کہنا۔ فقیر ہے اور یہ حضرت رسولِ اکرم ﷺ کے عاشق ہیں۔'' میں نے کہا یہ آپ نے کیوں کر جانا۔ فرمایا: ''جو آنحضرت ﷺ کے خیال میں ہر وقت غرق رہتا ہے اس کی آنکھوں میں سبزی آ جاتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ سبز رنگ کے پانی کی ایک لہر ان میں دوڑ رہی ہے۔''

محی الدین عباسی۔ لندن

(عالمی ڈائجسٹ کراچی، اکتوبر 1968ء صفحہ 73-74)

ثریا حیا

آغا نیاز مگسی

محترمہ ثریا حیا صاحبہ کا شمار ایسی شاعرات میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنا مقصد حیات جاننے کے لیے اپنی ذات کی تلاش شروع کر دی اور اس تلاش کیلئے انہوں نے شاعری کا راستہ ڈھونڈ نکالا ان کا کہنا ہے کہ شاعری اپنی ذات کو تلاش کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ثریا صاحبہ کی شاعری کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نامسائد اور مشکل حالات سے کبھی نہیں گھبرائیں، نہ مایوس ہوئیں اور نہ ہی کبھی حوصلہ ہارا بلکہ ہر طرح کے مشکل حالات کا صبر اور حوصلے سے مقابلہ کیا۔ انہوں نے اپنی شاعری میں پورے معاشرے کی ترجمانی کی ہے اور مشکلات کا شکار انسانوں کو صبر اور حوصلے کی تلقین کرتے ہوئے اندھیروں اور تاریکیوں کے مٹ جانے اور ان کی جگہ صبح، روشنی اور اجالوں کی آمد کی قوی امید دلانے کی کوشش کی ہے۔ان کی شاعری کا سب سے بڑا اور روشن پہلو یہ ہے کہ وہ کبھی اور کہیں بھی مایوسی اور ناامیدی کا شکار نہیں ہوئی ہیں یہی پیغام انہوں نے عام کر کے محروم ومحکوم اور مظلوم طبقات تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔

ثریا حیا صاحبہ 26 جون 1946ء کو دہلی میں ایک دیندار و مذہبی گھرانے میں ایک علمی و مذہبی شخصیت محمد کامل دہلوی کے گھر میں پیدا ہوئیں۔ان کے والد صاحب کا شمار دہلی کے شرفا میں ہوتا تھا۔وہ 7 بہن بھائی ہیں جن میں سے 4 بھائی اور 3 بہنیں ہیں۔ان کے نانا احمد بیگ صاحب بھی ایک نامور علمی اور سماجی شخصیت تھے جن کا شمار دہلی کی جامع مسجد کے علاقہ کی نہایت معزز اور بااثر شخصیات میں ہوتا تھا جبکہ ان کے تایا اخلاق احمد دہلوی ایک بڑی علمی اور ادبی شخصیت تھے ان کی 2 تصانیف ہیں جن میں ایک اور ''پھر بیاں اپنا '' اور دوسری تصنیف'' یادوں کا سفر'' یہ دونوں کتابیں بہت مقبول ہوئیں وہ کافی عرصہ ریڈیو پاکستان لاہور کے چیف اناؤنسر بھی رہے ہیں ثریا صاحبہ کو ان کی بھی خصوصی سرپرستی حاصل رہی ہے۔جس دور میں تعلیم عام نہیں تھی اس دور میں ثریا صاحبہ کی والدہ میٹرک پاس خاتون تھیں اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کا خاندان ایک قابل فخر علمی اور مثالی حیثیت کا حامل رہا ہے۔ثریا صاحبہ کا اصل نام ثریا پروین اور قلمی نام ثریا حیا ہے۔قیام پاکستان کے بعد ان کے والدین سب کچھ دہلی بھارت میں چھوڑ کر پاکستان ہجرت کر آئے اور کراچی میں سکونت اختیار کر لی۔ والد صاحب نے ثریا صاحبہ کو کراچی کے بہترین مشینری اسکول میں داخل کرایا۔ 1961 میں اپوا اسکول سے میٹرک اور اپوا کالج سے گریجویشن جبکہ 1967 میں کراچی یونیورسٹی سے سیاسیات میں ایم اے کیا۔ وہ شروع سے ہی امتیازی نمبروں میں تعلیمی مدارج طئے کرتی گئیں۔گھر میں علمی ماحول اور کتابوں کے ذخیرے کے باعث ان کے مطالعے سے ان کو شاعری سے دلچسپی پیدا ہوگئی۔ دوران تعلیم وہ مضمون نویسی اور بیت بازی کے مقابلوں اور ادبی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیتی رہیں اور کامیابیاں سمیٹتی رہیں۔انہوں نے ایک مشہور شاعر کے ایک کلام کی پیروڈی کی جس کو بہت پسند کیا گیا یہیں سے حوصلہ پا کر انہیں نے شاعری کا آغاز کر دیا۔ والد صاحب نے ان کی حوصلہ افزائی کی۔ 25 سال کی عمر میں 1971 میں والدین کی پسند اور مرضی پر ان کی شادی ایک دیندار و مذہبی شخصیت کے مالک نسیم الدین قریشی صاحب ہوئی۔شادی کے فوری بعد وہ سینٹ جوزف کالج میں لیکچرر تعینات ہوگئیں۔

شادی کے ایک سال بعد یعنی 1976 میں اپنے خاوند محترم کے ہمراہ سعودیہ منتقل ہوگئیں جہاں وہ ایک سیکنڈری اسکول میں معلمہ تعینات ہو درس و تدریس کے شعبے سے وابستہ ہوگئیں۔ 9 سال بعد 1985 میں وطن واپسی ہوئی۔وہ اس دوران مختلف تعلیمی اداروں میں اپنی خدمات سرانجام دیتی رہیں جبکہ اخبارات و رسائل و جرائد اور ماہناموں جنگ، اخبار جہاں، نیرنگ خیال، تخلیق، حریت، نوائے وقت لیل ونہار اور نگار وغیرہ میں ان کی شاعری چھپتی رہی۔ان کی خوبصورت شاعری کے باعث نیرنگ خیال کے 20 سالہ غزل نمبر کی خصوصی اشاعت میں ان کی غزل بھی شامل کی گئی جو ایک اعزاز ہے جبکہ سلطانہ مہر نے ان کو اپنے آج کی شاعرات میں شامل کیا۔شاعری میں سلطانہ مہر، وحیدہ نسیم، سعیدہ عروج، مظہر باسط عظیم اور محسن بھوپالی ان کی حوصلہ افزائی کراتے رہے اور شعری مجموعے کی اشاعت کے لیے ان کو اپنے مخلصانہ مشورے دیتے رہے۔ نارووال کے ایک ٹریننگ کالج میں تعیناتی کے دوران اس کالج کے سربراہ ایک علمی اور ادبی شخصیت ڈاکٹر محمود احمد کاوش نے ان کی شاعری پڑھ کر بہت متاثر ہوئے اور ثریا صاحبہ کو اپنا شعری مجموعہ شایع کرانے کا مشورہ دیا اور وہی ان کی کتاب کی اشاعت کے محرک بنے جبکہ ثریا حیا صاحبہ کی بڑی بیٹی فائقہ ارم نے ان کی ترتیب و اشاعت میں بہت محنت اور معاونت کی۔ کتاب کی اشاعت کے بعد اکتوبر 2019 میں 160 صفحات پر مشتمل ان کے شعری مجموعہ ''کشت جاں'' کی تقریب رونمائی کراچی پریس کلب میں ممتاز ادیب و شاعر، صحافی اور کالم نگار محمود شام کے زیر

صدارت منعقد ہوئی جس کے مہمان خصوصی ممتاز شاعر منظر ایوبی اور معروف شاعر، نقاد اور افسانہ نگار شفیق احمد تھے۔

ماشااللہ ثریا حیا صاحبہ 5 بیٹیوں اور ایک بیٹے کی والدہ محترمہ ہیں۔ ثریا صاحبہ کے خاوند محترم 2014 میں انتقال کر گئے جن کا صدمہ ایک گہرے اور ہرے زخم کی مانند آج بھی تازہ ہے۔ اپنے جیون ساتھی کے بغیر وہ خود کو دنیا کے تھپیڑوں میں دست و پا محسوس کر رہی ہیں لیکن اس کے باوجود وہ پورے حوصلے کے ساتھ زندگی کی شاہراہ پر گامزن ہیں۔ وہ اپنے گھر کے معاملات کیساتھ ساتھ ادبی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیتی رہتی ہیں وہ معروف ادبی ادارے حلقہ ارباب ذوق کی رکن بھی ہیں اور اس حیثیت سے بھی وہ فعال کردار ادا کر رہی ہیں۔ ان کی شاعری کا مطالعہ کرتے قاری احساسات کی دنیا میں کھو جاتا ہے ہر ایک شعر و غزل سے بادصبا اور نسیم صبح کی مسحور کن فضا محسوس ہوتی ہے اور ہر شعر پڑھنے کے بعد دل اگلا شعر پڑھنے پر اکساتا ہے اور ان کے اشعار تنہائی میں قاری کیساتھ ہمکلام نظر آتے ہیں۔ انہوں نے 1970ء میں اس وقت کے ملکی حالات کے تناظر میں ایک خوب صورت غزل کہی تھی جس کا مطلع ملاحظہ فرمائیں۔

حسن کمیاب کی صورت ہیں مگر ہیں تو سہی
شہر کم دیدہ میں کچھ اہل نظر ہیں تو سہی

اس غزل پر ممتاز شاعر منظر ایوبی نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر ثریا کوئی کتاب نہ بھی لکھتیں تب بھی وہ اپنی اس غزل کے باعث قادرالکلام شاعرہ کہلاتیں۔

غزل

پھیلتے ہی جاتے ہیں سلسلے خیالوں کے
بے سبب خموشی میں ان گنت سوالوں کے
لاکھ بھول جاؤ تم شب مثال لوگوں کو
ہیں نشاں مگر وہی صبح کے حوالوں کے
فصلِ گل میں اب اپنا کون منتظر ہو گا
کون دیکھ پائیگا زخم خستہ حالوں کے
اک طرف سمندر تھا دوسری طرف ساحل
حوصلے مگر دیکھو ڈوب جانے والوں کے
زندگی ہے سرگرداں اور عقل بھی حیراں
بھید جب سے پائے ہیں

اردو ادب کی تعلیم و اصلاح

سوال: ساختیات سے کیا مراد ہے؟ ساختیاتی تنقید کے اہداف کیا ہیں؟ اردو کے تناظر میں وضاحت کریں۔

ایڈمن اپریل 10.2022 تبصرہ جواب: ساختیات کی تعریف۔ ساختیات کیا ہے؟ بنیادی طور پر ساختیات کے متعلق سوچنے کا ایک طریقہ ہے یعنی یہ کہ کائنات کی بناوٹ کیا ہے اور یہ کن بنیادوں پر قائم ہے۔ ساختیات ساختوں کا علم ہے۔ آج کل ہم ساختیاتی گرامر کا ذکر سنتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ زبان کے قواعد کا نظام جو مختلف ہئیتوں اور سطحوں پر دیکھا جا سکتا ہے مثلاً تحریر، تقریر، جملے وغیرہ اور اُن کے معنی کی سطحیں جو گرامر منتقلہ کے زمرے میں آتی ہے اور جن سے زبان کی سطحی ساخت اور گہری ساخت کا پتا چلتا ہے۔ اسی طرح جب ہم سماجیات میں ساختیات کی بات کرتے ہیں تو مختلف سماجی ہئیتوں اور عناصر مثلاً کلچر، اقتصادیات، سیاسیات اور ان کے آپس میں رشتوں کی بات کرتے ہیں جن کے ذریعے سماجی ہیئت قائم ہوئی۔ اُردو میں لفظ سٹرکچر کا متبادل لفظ وضع یا ساخت ہے۔ سٹرکچر وضعیات یا ساختیات کہلائے گا۔ ساختیات کی اصطلاح زیادہ مستعمل ہے۔ ایک تنقیدی اصطلاح: ساختیات (انگریزی: Structuralism) لسانیات کی ایک تنقیدی اصطلاح ہے جس کے مطابق قاری اور مصنف کے خیالات و نظریات اور مہارت و اسلوب سے زیادہ ان کی ساخت کو اولیت حاصل ہے۔ ماہر ساختیات اور اردو کے نظریاتی انتقادات کے محقق اور ادیب احمد سہیل نے لکھا ہے، ''ساختیات کو سادے الفاظ میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ یہ مظاہر کا تجزیاتی مناجیات/ طریق عمل کا علم یا سائنس ہے۔ اس کا بنیادی مکالمہ ''انسانی مظاہر'' سے ہی ہوتا ہے۔ ساختیات کے مظہر میں ثنوئی اختلافات کا نظام موجود ہوتا ہے۔ جس میں افتراقات کا مطالعہ اور تجزیہ کیا جاتا ہے اور ساخت سے معنویت/ معنیات اخذ کی جاتی ہیں۔ جو اصل میں فکر کا طرز نظر اور رسائی ہوتی ہے۔ اس نظریے کو سب سے پہلے ارسطو نے چھیڑا۔ یوں بھی کہا جا سکتا تھا کہ فارسی زبان میں اسم 'ساخت' کے ساتھ فارسی قواعد کے مطابق 'ی' لاحقی نسبت اور 'ات' بطور لاحقی جمع مونث لگانے سے 'ساختیات' بنا۔ اردو میں فارسی سے ماخوذ ہے اور بطور اسم استعمال ہوتا ہے۔ ادبی تخلیق کی

پرکھ یا تنقید کی ایک شاخ جس میں الفاظ وتراکیب کی حرفی ونحوی ساخت کو بہت اہم خیال کیا جاتا ہے۔''ایک غلط تاثر: اردو تنقید پر ہمیشہ تدریسی تنقید کا مہیب اور شیطانی سایہ رہا ہے۔ یہ پیشہ ور قسم کے نقاد اپنے قارئین کو بھی کمرہ جماعت میں بیٹھا ہوا طالب علم تصور کیے بیٹھے ہیں۔ حالانکہ اب زمانہ بدل گیا ہے۔ ساختیاتی تنقید کے سلسلے میں یہ غلط تاثر بھی عام ہے کہ جامعات اور کالجوں کے اساتذہ ہی اس کو سمجھا سکتے ہیں کیونکہ اس کام میں تمام کا تمام ''لائبریری ورک'' ہوتا ہے۔ لہٰذا ساختیاتی تنقید کو پروان چڑھانے کے لیے متن TEXT کے نقادوں کو عنانِ ساختیات سنبھال لینی چاہیے۔ یعنی جو متن یا سیاقی تنقید نہیں لکھ سکتا وہ ساختیاتی تنقید میں بھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ تخلیقی اظہار کا مطالعہ ساختیات کا تعلق کسی تخلیق کی ظاہری ساخت یا بناوٹ سے نہیں ہوتا بلکہ موضوعی سطح پر جو تخلیقی اظہار ہوتا ہے اس کا مطالعہ ساختیات کرتی ہے۔ تخلیق کا ظاہری ڈھانچہ اور لسانی رنگ وروپ اور اس کی ہیئت سے ساختیات کا کوئی علاقہ نہیں۔ ساختیاتی تنقید ہمارے یہاں لسانی ماڈل کے حوالے سے روشناس کروائی گئی۔ خاص کر لیوی اسٹروس کے بشریاتی ماڈل کو لے کر ہمارے یہاں اسی ماڈل کے حوالے سے ادب کو پرکھنے کی کوشش کی گئی۔ یہ کوشش نہایت ہی احمقانہ تھی۔ کیونکہ اسٹروس کے بشریاتی ماڈل کو سمجھنے سے پہلے اس کے ریاضیاتی پس منظر سے آگاہی ضروری ہے۔ ہمارے یہاں نقادوں کے سامنے جہاں ریاضی کی بات ہوتی ہے تو ہمارے نقاد صاحبان کے قلم ٹھہر جاتے ہیں اور ''ذہن'' سوچنے سے صاف انکار کر دیتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ ان نقادانِ فن نے لسانیات اور ادب کو ایک دوسرے سے غلط ملط کر کے جس قسم کا بھونڈا انداز اپنایا ہے اس سے اردو تنقید کو نقصان پہنچا ہو یا نہ ہو مگر ان کے غیر تخلیقی اور غیر تنقیدی ذہن کے بچ پن کی قلعی ضرور کھل گئی۔ موضوعات: یہ امر اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ ساختیات کا علم صرف لسانیاتی علم (حوالہ) ہی نہیں بلکہ عمرانیاتی، بشریاتی، طبعیاتی، نفسیاتی، حیاتیاتی، حیوانیاتی، نباتاتی، ریاضیاتی، شاریاتی اشارہ فہمی کے علوم بھی ساختیات کے اہم موضوعات ہیں۔ مگر جب اردو کے حوالے سے ساختیات کی بات کی جائے تو نقاد کے لیے ضروری ہے کہ وہ کم از کم ثقافتی بشریات اور نظری عمرانیات کے موضوع پر تھوڑی بہت نظر رکھتا ہو۔ یوں تو روایتی طور پر ہمارے تمام تنقیدی ڈھانچہ تاثراتی ہے مگر ساتھ تھوڑی سی عملی تنقید بھی لکھی گئی یا مفروضے تشکیل دے کر یا نظریاتی حوالے سے ادبی تخلیقات کو پرکھا اور جانچا گیا اور یوں فن ان تنقیدی تحریروں سے غائب ہو گیا اور نظریئے کی بازگشت ہر طرف سنائی جانے لگی۔ ہر ادب میں ساختیاتی عنصر ملتا ہے دنیا میں ایسی کوئی تخلیقی اور علمی تحریر نہیں جو اپنی ساختیاتی جواز نہ رکھتی ہو۔ یہ ناممکن ہے لسان و زبان، جمالیات، تشبیہات، استعارے، علامات، فلسفیانہ متن، معاشرتی اور سیاسی بے چینی اور تخلیق کار کی ذاتی واردات اپنے ساختیات پیکر میں قارئین کے ذہن میں نہ آتے ہوں۔ وسیع معانی: ساختیات ایک ادبی اور لسانی اصطلاح ہونے کے باوجود اپنے وسیع معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ کیونکہ ساختیات نہ صرف زبان کی ساخت اور ڈھانچے کے تعلق سے جانکاری فراہم کرتی ہے بلکہ یہ متن میں لفظ اور معنی کے رشتے کے نظام سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کے مطابق متن بذات خود کوئی معنی نہیں رکھتا اور اگر معنی قائم ہوتا ہے تو وہ انہی رشتوں کے نظام سے ہوتا ہے۔ پروفیسر گوپی چند نارنگ فلسفہ ساختیات کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''ساختیات کا فلسفیانہ چیلنج یہ ہے کہ ذہن انسانی حقیقت کا ادراک کس طرح کرتا ہے اور حقیقت جو معروضِ وجود ہے کس طرح پہچانی اور سمجھی جاتی ہے۔ یہ بات خاطر نشان رہنا چاہیے کہ ساختیات صرف ادب یا ادبی اظہار سے متعلق نہیں بلکہ اساطیر، دیو مالا، قدیم روایتیں، عقائد، رسم ورواج، طور طریقے، تمام ثقافتی معاشرتی مظاہر مثلاً، لباس وپوشاک، رہن سہن، خورد ونوش، بود وباش، نشت وبرخاست وغیرہ یعنی ہر وہ مظہر جس کے ذریعے ذہن انسانی ترسیل معنی کرتا ہے یا ادراک حقیقت کرتا ہے ساختیات کی دلچسپی کا میدان ہے۔'' اصل معنی تک رسائی: ساختیات اپنے سابقہ نظریات کے ردعمل میں ایک ایسا تنقیدی نظریہ ہے جو فن پارے کے سطحی معنی یا ہیئت کو موضوعِ بحث بنا کر مصنف کی ذات کو مرکزیت عطا کر کے فن پارے کو وحدانی اور مستقل معنی پہنانے پر اصرار کرتی ہے۔ ساختیات نہ صرف چھپے ہوئے الفاظ تک خود کو محدود رکھتی ہے بلکہ متن کے اندر چھپے معنی اور معنیاتی نظام کا گہرائی وگیرائی کے ساتھ مطالعہ کرتی ہے۔ یعنی زبان کی سطحی واقفیت سے تفہیم کے تقاضے پورے نہیں ہوتے ہیں بلکہ متن کے اصل معنی تک رسائی حاصل کرنے سے ہوتے ہیں اور یہ تب ہی ممکن ہے جب متن مصنف کے معنوی امکانات اور زبان کے تمدنی انسلاکات کے علم سے آگہی رکھتا ہو تب جا کے متن کی نچلی تہوں میں چھپے معنی تک رسائی حاصل کرنے میں کامیابی حاصل

ہوسکتی ہے۔ساختیاتی مطالعہ کی انتہا شعروادب کی شعریات کا مطالعہ نہیں بلکہ شعریات کی تلاش وجستجو میں مضمر ہے جس سے متن کے اُس معنیاتی نظام سے شناسائی ہوتی ہے جس سے معنی متشکل ہوتے ہیں۔ثقافتی تناظر میں تجزیہ: ساختیاتی تنقید میں فن پارے کا تجزیہ ثقافتی تناظر میں ہوتا ہے۔کیوں کہ ساختیاتی نقادوں کا ماننا ہے کہ فن پارہ اپنے دور کی ثقافتی معاشرتی نظام کا مظہر ہوتا ہے لہٰذا فن پارے میں جو زبان تشکیل پاتی ہے اُس کے معنیاتی نظام کو سمجھنے کے لیے اُس کے ثقافتی تناظر میں جھانکنا ضروری ہے کیونکہ فن پارہ خودمختار اور خودمکتفی یا خودکفیل نہیں ہوتا ہے۔ساختیاتی تنقید کے نظریے کے مطابق فن پارے میں پہلے سے ہی طئے شدہ معنی نہیں ہوسکتے ہیں بلکہ فن پارے کے متن کا گہرائی سے مطالعہ کرنے کے بعد قاری کی ذہنی ساخت فن پارے کو معنی عطا کرتی ہے۔اس طرح ساختیات سوسیئر کے نظریہ لسان کے قریب ہوجاتی ہے جس کے مطابق اشیاء بذات خود کوئی معنی نہیں رکھتے ہیں بلکہ انسان اُن کے لئے معنی خلق کرتا ہے۔گوپی چند نارنگ اس ضمن میں رقمطراز ہیں:''نقاد فن پارے کا محض تماشائی نہیں ہے۔نہ تو فن پارہ کوئی تیارشدہ (Ready made) مال ہے نہ نقاد محض اس کا صارف (Consumer) ہے۔ساختیات کے نزدیک نقاد فن پارہ کو اپنی قرأت (Reading) سے معنی دیتا ہے۔چنانچہ نقاد کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ نیازمندانہ طور پر فن پارے کے امکانات کے آگے سر جھکا دیں۔اس کے برعکس نقاد عملی طور پر معنی کی تعمیر کرتا ہے۔وہ فن پارے کو''موجود'' بناتا ہے۔''متن کی گہرائی تک اترنا: فن پارے کی معنیاتی تکمیل نقاد یا قاری کی ذہنی ساخت میں مضمر ہے۔حالاں کہ فن پارے کے جو معنی متعین کیے جاتے ہیں بظاہر وہ اُس کے معنی نہیں ہوتے ہیں بلکہ صحیح معنی تک پہنچنے کے لیے نقاد کو متن کی گہرائی میں اُتر کر الفاظ کی نشست وبرخاست سے واقفیت حاصل کرکے فن پارہ کے اندر استعمال ہوئی زبان کے معنیاتی رشتوں کے نظام کو جاننے کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ساختیاتی نظریہ کا آغاز فرانس سے ہوا اور اس سلسلے میں Claude levi Strouss کی تصنیف Structuralism Anthropology بڑی اہمیت رکھتی ہے۔اس کے بعد روس میں اس کو تقویت ملی جس میں پیلی فنیوف، شکلووسکی، اچن بام اور ٹوماچوسکی کا نام اہمیت کے حامل ہیں۔اردو تنقید میں جن نقادوں کی خدمات اس سلسلے میں نا قابل فراموش ہیں اُن میں گوپی چند نارنگ، شمس الرحمن فاروقی، ڈاکٹر شارب ردولوی، ڈاکٹر فہیم اعظم، قمر جمیل، ڈاکٹر وزیر آغا، احمد سہیل اور قاضی قیصرالاسلام کے نام شامل ہیں۔ساختیات اور ادب: مغربی نقاد اور شاعر ایذرا پاؤنڈ نے ایک بار کہا تھا:''بڑا ادب صرف زبان ہوتی ہے جو اپنی آخری حد تک پُرمعنی ہوتی ہے۔'' ایذرا پاؤنڈ ساختیاتی فکر کا آدمی نہیں تھا لیکن ادب میں زبان کی اہمیت کا اندازہ تو ہمارے قدما کو بھی تھا لیکن سمجھتے تھے کہ زبان کا کام نمائندگی ہے۔وہ اچھے ادب کے لیے ایک ذریعہ ہے لیکن ساختیاتی فکر میں زبان کا کوئی 'میڈیم' کا رول نہیں ہے۔ بلکہ زبان خود ادب ہے۔زبان ہی آرٹ ہے اور ادب کی جمالیات ہوتی ہے۔ساختیات میں ادب کے اندر زبان ہوتی ہے۔ساختیات کی کچھ خصوصیات ذیل میں درج کی جارہی ہیں۔

ساختیات کی خصوصیات

نظریہ کل: کل ہم اُسے کہتے ہیں جس میں بہت سی وحدتیں شامل ہیں۔ یہ وحدتیں خود الگ الگ ہوتی ہیں مگر کل میں شامل ہونے کے لیے ان کو آپس میں نظام اور قوانین کے تحت گتھم گتھا ہونا پڑتا ہے اور اس طرح ان کی جو ہئیت یا انفرادیت ہوتی ہے، وہ پہلے سے زیادہ بڑی ہوجاتی ہے۔ یہ کل محض خودمختار وحدتوں کی جمع نہیں ہوتا بلکہ اس سے بڑھ جاتا ہے۔نظریہ تحرک: دوسرا نظریہ یہ ہے کہ اس قسم کا کوئی سٹرکچر ہمیشہ ایک طرح کا نہیں رہتا۔ بلکہ جن قوانین وضوابط کی پابندی ہوتی ہے وہ اس کی ساخت میں تبدیلی لاتے رہتے ہیں یا یوں کہیں کہ ساختیں کرتے رہتے ہیں۔جیسے ہماری عمارت کی ساخت میں تجدید کا عمل برابر جاری رہتا ہے۔ جیسے بنیادی اسم، فعل اور مفعول کے جملوں کو بہت سے جملوں میں بولتے اور لکھتے وقت تبدیل کرنا۔ بنیادی لفظ اور جملے دوسرے جملوں میں تبدیل ہونے کے بعد بھی اپنی بنیادی ساخت برقرار رکھتے ہیں۔نظریہ خودنظمی یا خودضبطی: لسانی معاشرتی نظام کی ساخت میں جو نظم وضبط اور تبدیلی رونما ہوتی ہے، وہ ساخت خود متعین کرتی ہے۔جملوں میں جو تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ بول چال میں جو فرق پیدا ہوتا ہے، اُردو معلّٰی سے عوامی اُردو کا استعمال، محاورے وغیرہ کی شکست وریخت اور تجدید یہ سب لسانی نظام کے اندر ہوتے ہیں۔اس لیے کسی بیرونی یا خارجی ساخت کا سہارا نہیں لینا پڑتا۔اسی لیے کہا جاتا ہے کہ لسانی نظام ایک بند نظام

ہے۔ بند نظام کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں کوئی چیز داخل نہیں ہوسکتی۔ یعنی ایک زبان میں دوسری زبان کے الفاظ آ ہی نہیں سکتے۔ شمس الرحمان فاروقی کہتے ہیں: اک لفظ وہ بھی بند جہاں کس طرح بنے.... پر چھائیوں سے کون و مکاں کس طرح بنے تغیر و تنظیم میں خود مختار: لفظ جو خود اپنے کو Regulate کرتا ہے اور اپنی تغیر تنظیم میں خود مختار ہے لیکن کسی بھی خارجی حوالے کا محتاج نہیں ہے۔ جہاں معنی پیدا کرتا ہے۔ ساسر کے دور میں زبان کے متعلق جو خیال تھا وہ یہ کہ زبان الفاظ کا مجموعہ ہے۔ ہر چیز ٹھوس ہے اور جوہر یا صفات کی مالک ہے۔ زبان کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ تاریخی مطالعے سے ہی ممکن ہے۔

ایم ایم عالم

جنرل ضیاء الحق نے ٹیپ سنی اور ایم ایم عالم کو ائیر فورس سے فارغ کرنے کا حکم دے دیا اور یوں پاکستان کے ہیرو ائیر فورس کے ہسٹری کے ورلڈ ریکارڈ ہولڈر ایم ایم عالم کو 1982ء میں قبل از وقت ریٹائر کر دیا گیا، وہ اس وقت ائیر کموڈور تھے ایم عالم کی پنشن سمیت تمام مراعات روک لی گئیں، وہ درویش صفت انسان تھے، دنیا میں ان کا کوئی گھر نہیں تھا، شادی انھوں نے کی نہیں تھی لہٰذا وہ ریٹائرمنٹ کے بعد چک لالہ ائیر بیس کے میس میں مقیم ہو گئے، وہ ایک کمرے تک محدود تھے، کتابیں تھیں، عبادت تھی اور ان کی تلخ باتیں تھیں۔ حکومت کوشش کر کے نوجوان افسروں کو ان سے دور رکھتی تھی لیکن اس کوشش کے باوجود بھی اگر کوئی جوان افسر ان تک پہنچ جاتا تھا تو اس کے کوائف جمع کر لیے جاتے تھے اور بعد ازاں اس پر خصوصی نظر رکھی جاتی تھی چنانچہ نوجوان افسر بھی ان سے پرہیز کرنے لگے، جنرل ضیاء الحق کے بعد ائیر فورس نے انھیں پنشن اور دیگر مراعات دینے کی کوشش کی لیکن انھوں نے صاف انکار کر دیا، وہ خوددار انسان تھے، وہ دس دس دن فاقہ کاٹ لیتے تھے لیکن کسی سے شکایت نہیں کرتے تھے، مدت بعد ایک ایسا شخص ائیر چیف بن گیا جس نے ان کی کمان میں کام کیا تھا۔ اس نے ان کے تمام دوستوں کو درمیان میں ڈالا، دو درجن لوگوں نے ان کی منت کی اور یوں وہ ریٹائرمنٹ کی طویل مدت بعد صرف پنشن لینے پر رضا مند ہوئے، جنرل پرویز مشرف نے اقتدار سنبھالا تو ایم ایم عالم صاحب نے ان پر بھی تنقید شروع کر دی، وہ فوج کے سیاسی کردار اور کرپشن کو ملک کی تباہی کا اصل ذمے دار قرار دیتے تھے، وہ کہتے تھے، جنرل مشرف اور ان کے ساتھی کرپٹ بھی ہیں اور یہ ہوس اقتدار کے شکار بھی ہیں، یہ لوگ ملک کو تباہ کر دیں گے، خفیہ ادارے پھر ایکٹو ہوئے، ایک بار پھر ان کی گفتگو ٹیپ ہوئی، یہ ٹیپ صدر جنرل پرویز مشرف کو پیش کر دی گئی۔ صدر نے ائیر چیف کو طلب کیا، ٹیپ سنائی اور ان سے کہا، چک لالہ حساس علاقہ ہے، یہ شخص ہماری ناک کے نیچے بیٹھ کر ہمارے خلاف گفتگو کر رہا ہے، اس سے بغاوت پھیلنے کا خدشہ ہے، آپ اسے راولپنڈی سے کہیں دور بھجوا دیں۔ صدر کا حکم تھا چنانچہ ایم ایم عالم صاحب کا سامان باندھا گیا اور انھیں راولپنڈی سے کراچی پہنچا دیا گیا، ان کا اگلا ٹھکانہ فیصل بیس تھا، یہ انتقال تک فیصل بیس میں رہے۔ دسمبر 2012ء میں ان کی طبیعت خراب ہوئی، انھیں نیوی کے اسپتال شفاء میں منتقل کیا گیا، وہ وہاں 18 مارچ 2013ء تک داخل رہے، 18 مارچ کو جب انھوں نے آخری سانس لی تو ان کی شجاعت اور بہادی کے نغمے گانے والوں میں سے کوئی شخص ان کے سرہانے موجود نہیں تھا۔ اور آج چوراہے پر رکھے ایک ماڈل جہاز کو نقصان پہچانے کے جرم میں معصوم لوگ اسی ایم ایم عالم کے نام سے پھانسی چڑھیں گے۔

''مستنصر حسین تارڑ''

ایک سردار جی کے لطیفے نے نہ صرف مجھے چونکا دیا بلکہ مکمل طور پر قائل کر دیا کہ سدا بہار لطیفے دراصل اپنے تصوف کا ایک پوشیدہ پرتو رکھتے ہیں۔ لطیفہ کچھ یوں ہے کہ ایک سردار جی نہایت اہتمام سے چائے پی رہے تھے۔ وہ ایک گھونٹ بھرنے کے بعد چائے کو ایک چمچے سے خُوب ہلاتے، چمچہ چائے میں پھیر کر ایک گھونٹ بھرتے اور پھر مسکرانے لگتے۔ وہ یہ عمل بار بار دُہراتے رہے۔ ہے گھونٹ کے بعد چائے کو چمچے سے ہلاتے، ایک اور گھونٹ بھرتے اور مُسکرانے لگتے۔ نزدیک بیٹھے ایک صاحب نے پُوچھا کہ، ''سردار جی آپ ہر بار چائے کو چمچے سے ہلا کر گھونٹ بھرنے کے بعد مُسکراتے کیوں ہیں؟'' تو سردار جی نے کہا کہ، ''ایک بات آج ثابت ہوگئی ہے، چائے میں اگر چینی نہ ڈالو تو لاکھ اُسے چمچے سے ہلاؤ وہ کبھی بھی میٹھی نہیں ہوگی''۔ اگر نیک اعمال کی چینی آپ کی حیات میں نہ ہو تو آپ لاکھ عبادتیں کریں، تسبیح پھیریں، فیصلہ تو اعمال کی چینی سے ہوگا ورنہ روزِ حشر آپ کی اگلی پُوری زندگی پھیکی ہی رہے گی۔ شاہ حسین اور بابا بلھے شاہ کے اکثر شعروں میں یہی پیغام ہے، ''کہ اگر عمل مفقُود ہے تو تم پھیکے کے پھیکے رہو گے، کبھی میٹھے نہ ہو گے''

جستہ جستہ

عطاء القادر طاہر

آؤ تحقیق کریں عورتوں کے اعزازات:

سب سے پہلے جو سب سے زیادہ بڑے ظالم و جابر خدائی کا دعویٰ کرنے والے فرعون کے مقابل شجاعانہ انداز میں کھڑی ہوئی۔ وہ کوئی مرد نہیں تھا بلکہ ایک عورت تھیں۔ (حضرت آسیہ) سب سے پہلے جس نے مکہ اور کعبہ کو آباد کیا۔ وہ کوئی مرد نہیں تھا بلکہ ایک عورت تھیں۔ (حضرت ہاجرہ خاتون) سب سے پہلے جس نے روئے زمین کا مبارک ترین زمزم نوش فرمایا وہ کوئی مرد نہیں تھا بلکہ ایک عورت تھیں۔ (حضرت ہاجرہ خاتون) سب سے پہلے جو ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لائی وہ کوئی مرد نہیں تھا بلکہ ایک عورت تھیں۔ (حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا) سب سے پہلے جس کا خون اسلام کی راہ میں بہایا گیا اور شہید ہوا وہ کوئی مرد نہیں تھا بلکہ ایک عورت تھیں۔ (حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا) سب سے پہلے جس نے اپنا مال اسلام کی راہ میں دیا وہ کوئی مرد نہیں تھا بلکہ ایک عورت تھیں (حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا) قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ جس کا مسئلہ اللہ نے سات آسمانوں کے اوپر سنا وہ کوئی مرد نہیں تھا بلکہ ایک عورت تھی۔ (سورہ مجادلہ آیت 1) (حضرت خولۃ رضی اللہ عنہا) سب سے پہلے جس نے صفا و مروہ کی سعی انجام دی وہ کوئی مرد نہیں تھا بلکہ ایک عورت تھیں۔ اب ہر سال لاکھوں حاجیوں پر لازم ہے کہ ایک عورت کے انجام دیئے گئے فعل کو بجالائیں ورنہ ان کا حج قبول نہیں ہوگا۔ (حضرت ہاجرہ خاتون) سب سے پہلے جو سب کی مخالفت کے باوجود بیت المقدس میں داخل ہوا۔ وہ کوئی مرد نہیں تھا عورت تھیں۔ (حضرت مریم) جس نے قصر یزیدی کو لرزا دیا وہ کوئی مرد نہیں تھا بلکہ وہ عورت تھیں۔ (حضرت زینب بنت علی رضی اللہ عنہ) ہر عورت کو مبارک کہ وہ عورت پیدا کی گئی۔

وقت کے فیصلے: ٹھیک 266 سال پہلے آج یعنی 22 جون کی شام بنگال کے محل میں ایک میٹنگ ہوئی تھی۔ یہ میٹنگ محل مالک کے پرسنل بیڈ روم میں ہوئی تھی اور اس میٹنگ میں تین لوگ موجود تھے۔ ایک انگریز، محل کا مالک اور اس کا بیٹا۔ انگریز فراوانی سے ہندی، فارسی اور بنگالی بول سکتا تھا لہٰذا اس نے محل مالک کے سر پر قرآن اور اس کے بیٹے کے سر پر اس کا ایک ہاتھ رکھا اور قسم اٹھوائی کہ وہ وہی کرے گا جو انگریز اسے کہیں گے اور اگر وہ ویسا ہی کرے گا تو انعام میں اسے طاقت اور حکومت دی جائے گی۔ لیکن میٹنگ کے آخر میں انگریز کے سامنے ایک شرط بھی رکھ دی گئی جو انگریز نے مان لی... چونکہ میٹنگ کامیاب ہوگئی تھی اس لیے اگلے دن انگریزوں نے ایک لڑائی کا فیصلہ کیا حالانکہ جیتنے کا کوئی چانس ہی نہیں تھا کیوں کہ انگریز بمشکل 3100 تھے جبکہ ان کا مقابلہ پچاس ہزار کے ساتھ تھا اور پچاس ہزار بھی ایسے کہ جن کے پاس اتنی بڑی بڑی توپیں تھیں کہ انہیں سفید رنگ کے... بڑے بڑے پچاس بیل کھینچ رہے تھے۔ ان بیلوں کو بہار میں breed ہی اس مقصد کے لیے کیا گیا تھا کہ وہ لوہے کی توپیں کھینچ سکیں اور ہر توپ کے پیچھے ایک بڑا ہاتھی اسے دھکا دے رہا تھا۔ اگر آپ نے دیکھا ہو تو لارڈ آف دی رنگز فلم کا ایک سین بھی اس منظر سے انسپائرڈ ہو کر فلمایا گیا ہے۔ لیکن انگریزوں کو ان بیلوں یا توپوں یا ہاتھیوں کی فکر نہیں تھی کیوں کہ وہ ایک کامیاب میٹنگ کر چکے تھے اور ہوا بھی وہی جس کی انہیں امید تھی۔ جب لڑائی شروع ہوئی تو پچاس میں سے پینتالیس ہزار فوج خاموشی سے پیچھے ہٹ گئی اور محض گیارہ گھنٹے کے اندر بنگال کا پورا صوبہ انگریزوں کی.. جھولی میں جا چکا تھا اور ایسا گیا کہ صرف اگلے سو سال میں انگریزوں نے برصغیر سے لے کر برما تک کے علاقے پر اپنا راج قائم کر لیا تھا۔ لیکن آپ کو یاد ہے کہ میٹنگ میں انگریز کے سامنے ایک شرط بھی رکھی گئی تھی۔ وہ شرط تھی کہ جیتنے کے بعد انگریز ایک مخصوص شخص کی بے حرمتی کریں گے... اور وعدے کے مطابق انہوں نے ایسا کیا بھی۔ ایک خاص لاش کو ساری رات جعفر گنج دریا پر پڑا رہنے دیا گیا اور اگلی صبح اسے ہاتھی پر ڈال کر پورے شہر میں گھمایا گیا یہاں تک کہ جان بوجھ کر اس کی ماں آمنہ بیگم کے گھر کے سامنے سے بھی کر گزارا گیا۔ پلاسی کی اس لڑائی میں مرنے والا وہ شخص تھا.. بنگال کا نواب سراج الدّولہ اور انگریز william watts کے سامنے یہ شرط رکھنے والا تھا بنگال کی فوج کا سربراہ... غدار میر جعفر۔ انگریز جیت تو گئے، انہوں نے میر جعفر کو بہت کچھ دیا بھی یہاں تک کہ پورے کا پورا بنگال دے دیا۔ وہ میٹنگ ایک کامیاب میٹنگ تھی۔ لیکن... یاد رکھیں کہ ہمیشہ کے لیے کچھ بھی نہیں ہوتا! ایک دن ایسا آیا کہ میر جعفر بھی ذلیل ہو کر مر گیا۔ ایک دن ایسا آیا کہ انگریز بھی ہندوستان سے واپس چلے گئے۔ لیکن جس محل میں 22 جون کی شام وہ میٹنگ ہوئی تھی... آج 266 سال گزرنے کے بعد بھی اس محل کے کھنڈرات اپنی جگہ کھڑے ہیں۔ اور وہاں سے گزرنے والا ہر شخص نفرت سے ان کھنڈرات کو دیکھ کر انہیں ''نمک حرام ڈیوڑھی'' کہہ کر بلاتا ہے۔ اور کھنڈر ہو چکے اس محل کا نام ابد تک ''نمک حرام ڈیوڑھی'' ہی رہے گا۔

ھ "اور" ہ "میں کیا فرق ہے؟

''ھاں" اور "ہاں" کیا دونوں ٹھیک ہیں؟ اسی طرح "ہم" اور "ھم" اگر فرق ہے تو کیا ہے؟ اردو میں دوچشمی ''ھ'' کا استعمال مرکب حروف تہجی بنانے کے لئے ہوتا ہے۔ مثلاً: بھ، پھ، تھ، ٹھ، جھ، چھ، دھ، ڈھ، گھ، اور لھ وغیرہ۔

بعض جگہوں پر خوب صورتی یا کسی اور وجہ سے لوگ ابتدا میں ''ھ'' کا استعمال کرتے ہیں مثلاً "ھم"، "ھماری" اور "ھاں" وغیرہ۔

لیکن یہ استعمال درست نہیں ہے۔ اول تو یہ کہ اردو میں ''ھ'' ابتداء لفظ میں کبھی آ ہی نہیں سکتا۔ کیوں کہ دوچشمی ''ھ'' کی اکیلی مستقل آواز نہیں ہے بلکہ اسے کسی دوسرے حرف کے ساتھ ملا کر لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔ دوچشمی ''ھ'' اردو میں ہندی زبان سے اخذ کی گئی ہے اور یہ صرف چند حروف کے ساتھ ہی آسکتی ہے، اردو کے تمام حروف تہجی کے ساتھ نہیں آسکتی مثلاً: بھ، پھ، تھ، ٹھ، جھ، چھ، دھ، ڈھ، گھ، اور لھ وغیرہ۔

اس کے علاوہ باقی حروف کے ساتھ دوچشمی ''ھ'' نہیں آتی جبکہ ''ہ'' کی الگ مستقل آواز ہوتی ہے۔ ذیل میں دوچشمی ''ھ'' اور ''ہ'' کے چند جملے لکھے جا رہے ہیں، انہیں پڑھ کر آپ کو خود ہی اندازہ ہو جائے گا کہ ان دونوں کے پڑھنے میں کیا فرق ہے اور اُردو زبان میں یہ دو مختلف ھ/ ہ الگ الگ کیوں رائج ہیں:

''ھ'' ننھے منے بچے سب کے من کو بھاتے ہیں۔

''ہ'' بہ- لاپرواہ لوگ پانی زیادہ بہاتے ہیں۔

''ھ'' ھ- بچے نے کاپی کا صفحہ پھاڑ دیا۔

''ہ'' پہ - پہاڑ پر چڑھنا ایک دشوار کام ہے۔

"ھ" تھ- میرا ایک دوست تھائی لینڈ میں رہتا ہے۔

"ہ" تہ- ابھی تک صرف ایک* تہائی* کام ہوا ہے۔

"ھ" ٹھ- ان دونوں کی آپس میں ٹھنی ہوئی ہے۔

"ہ" ہ - درخت کی ٹہنی پر چڑیا چہچہا رہی ہے۔

"ھ" جھ- آج فضا بوجھل سی ہے۔

"ہ" ہ- ابوجہل

تین سال قبل آپ نے ''بدلتے ہوئے سعودی عرب'' کے متعلق درج ذیل تفصیل پڑھی ہوگی دوبارہ پڑھئے سب باتیں درست تھیں شہزادہ سلمان واقعی منافق نہیں اس نے سعودی وہابی اسلام کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر لبرل اسلام اختیار کر لیا ہے نئی نسل کو اس تعلیم سے متعارف کروانے کے لئے نیا تعلیمی نصاب جاری کر دیا ہے''

ہنسی روک کر دکھایئے۔ رجل خوشاب

راوی کہتا ہے ہمارے محلے میں ابو الحسن نبالی نامی ایک بزرگ فوت ہو گئے، عمر رسیدہ تھے، اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔ خیر ساتھ والی مسجد میں ان کی نماز جنازہ اور پھر تدفین کے بعد تابوت واپس لایا گیا۔ رات کا وقت تھا مسجد بند ہونے کے باعث تابوت کو مسجد کے دروازے کے سامنے رکھا گیا تا کہ صبح خادم اٹھا کر اسے اپنی جگہ رکھے گا۔ رات کوئی ساڑھے تین بجے کا ٹائم ہوگا کہ ایک شخص مسجد آیا۔ مسجد کا دروازہ بند تھا، وہ شخص کچھ دیر انتظار کرتا رہا۔ سردیوں کے دن تھے، اسے سردی لگ گئی۔

اس نے تابوت کھولا اور اندر سو گیا۔ آدھا گھنٹہ بعد خادم آ گیا۔ خادم نے ایک نمازی کی مدد سے تابوت کو محراب کے ساتھ بنی مخصوص جگہ پر رکھ دیا۔ نیند کی غنودگی کی وجہ سے انہیں تابوت کے وزن کا بھی اندازہ نہ ہوا۔ مؤذن نے اذان دی۔ لوگ نماز کے لیے پہنچے۔ جماعت کھڑی ہوگئی۔

پچاس کے قریب نمازی جماعت میں شامل تھے۔ میں پہلی صف میں کھڑا تھا اور دوسری رکعت تھی کہ سامنے تابوت پہ میری نظر پڑی۔

عجب خوفناک منظر دیکھا کہ تابوت ہل رہا ہے۔ میرے جسم میں سنسنی خیز ایک لہر دوڑ اٹھی۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ تابوت بدستور ہل رہا تھا۔ شاید میت کا ہیولا کھڑا ہو۔ اتنے میں وہ شخص اٹھا اس نے تابوت سے سر باہر نکال کر پوچھا ''تم لوگوں نے نماز پڑھ لی''؟

اللہ معاف کرے، لوگوں کی دوڑیں لگ چکی تھیں۔ میں تو الٹے پیر ہزار کی سپیڈ سے گھر کی طرف دوڑا۔ گھر پہنچ کر معلوم ہوا کہ میں ننگے پیر ہی گھر پہنچا ہوں۔ امام صاحب تو پہلے ہی بے ہوش ہو کر زمین پہ گر پڑے تھے، کچھ لوگ دوڑتے ہوئے دیواروں سے ٹکرانے کی وجہ سے گرے ہوئے تھے، کچھ میری طرح ننگے پیر باہر بھاگ رہے تھے، کچھ وضو خانوں کے پاس پھسل کر گر چکے تھے، سب اندھا دھند بھاگ رہے تھے، جو شخص تابوت میں تھا وہ پیچھے سے دوڑ رہا تھا۔ اور پوچھ رہا تھا اوئے مینوں تے دسو ہویا کی اے...

آغا نیاز مگسی

اردو کی نامور ادیبہ اور شاعرہ

ڈاکٹر نزہت عباسی صاحبہ

اردو کی نامور ادیبہ اور شاعرہ ڈاکٹر نزہت عباسی صاحبہ 27 جون 1971 میں کراچی میں پیدا ہوئیں۔ ان کا اصل نام نزہت سلطانہ ہے۔ محمد حسین عباسی صاحب (ظفر انجمی) ان کے والد اور وقار النساء صاحبہ ان کی والدہ محترمہ ہیں۔ وہ پانچ بہن بھائی ہیں۔ اردو ان کی مادری زبان ہے۔ 1994 میں ڈاکٹر نزہت صاحبہ کی ظفر اقبال عباسی صاحب سے شادی ہوئی ماشاءاللہ ان کے دو بچے فاکہہ عباسی اور اعتزاز عباسی ہیں۔

نزہت عباسی شاعرہ محقق اور نقاد ہیں۔ ایک علمی اور ادبی گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں، ان کے والد محمد حسین عباسی ظفر انجمی صاحبِ دیوان شاعر تھے، ڈاکٹر نزہت عباسی زمانہ طالب علمی سے ہی نصابی اور ہم نصابی سرگرمیوں میں فعال رہیں، ابتدا بچوں کے لیے نظمیں اور کہانیاں لکھنے سے ہوئی، اسی دور میں مشاعروں میں شرکت کی، کالج اور یونیورسٹی کے مجلوں کی ادارت کی، بزم ادب کی صدر رہیں، اردو ادبیات میں پوزیشن حاصل کرنے کے بعد اسی سال تدریس کا آغاز کیا۔ 2005 میں پہلا شعری مجموعہ 'سکوت' کے نام سے شائع ہوا اور دوسرا مجموعہ 2015 میں 'وقت کی دستک' کے نام سے منظرِ عام پر آچکا ہے۔ 2011ء میں جناح یونیورسٹی برائے خواتین کراچی سے پی ایچ ڈی کی سند حاصل کی، ان کا تحقیقی مقالہ 'اردو کے افسانوی ادب میں نسائی لب ولہجہ' انجمن ترقی اردو نے 2013 میں شائع کیا۔ تحقیقی و تنقیدی مقالات کا مجموعہ 'نسخہ ہائے فکر' 2019 میں شائع ہوا۔

ایک مقامی کالج میں شعبہ اردو کی صدر ہیں۔ ایک نجی ٹی وی چینل سے اردو افسانے پر 100 سے زیادہ پروگرام کیے ہیں، مشاعروں اور ادبی تقاریب کی نظامت کے لیے بھی مشہور ہیں، کئی ایوارڈز حاصل کر چکی ہیں، ادبی تنظیم دبستانِ غزل کی صدر ہیں جس کے تحت ہر مہینے نشست ہوتی ہے۔

تصانیف

ڈاکٹر صاحبہ کی اب تک شائع ہونے والی تصانیف کی ترتیب درج ذیل ہے۔ 1۔ اردو کے ادب میں نسائی لب ولہجہ، 2 دستک، 3 سکوت، 4۔ نسخہ ہائے فکر کی شاعری سے انتخاب۔

نزہت عباسی صاحبہ

موج دریا کے لبوں پر تشنگی ہے کربلا
ریگ ساحل پر تڑپتی زندگی ہے کربلا
صبر کی اور ضبط کی یہ منزلیں ہیں آخری
عزم اہل بیت کا کیا دیکھتی ہے کربلا
حق کبھی جھکتا نہیں ہے سر بھی کٹ جائے اگر
ذہن و دل کے واسطے اک آگہی ہے کربلا
کیوں سکینہ اور زینب اس قدر خاموش ہیں
دور تک صحرا میں دیکھو خامشی ہے کربلا
مٹ گیا ہے فرق سب فردا میں اور دیروز میں
مات دے کر رخش دوراں کو چلی ہے کربلا
تا قیامت ذکر سے روشن رہے گی یہ زمیں
ظلمتوں کی شام میں اک روشنی ہے کربلا
اے غم شام غریباں اے شب تار الم
اہل دل کو روز و شب تڑپا رہی ہے کربلا

***

خود کو اس طرح آج شاد کریں
تم کو بھولیں تمہیں کو یاد کریں
تم سے ملنا نہیں قیامت تک
فیصلہ یہ بھی آج صاد کریں
رنگ کتنے ہیں تیرے چہرے کے
کس حوالے سے تجھ کو یاد کریں
کر کے احسان ہم پہ ناحق ہی
ہم سے وابستہ وہ مفاد کریں
آگ گھر کی انہیں بھی یاد رہے
شہر میں جو کبھی فساد کریں
آج خود سے ذرا سی دیر ملیں
آج پوری چلو مراد کریں
یاد میں ایک مرنے والے کی
آج محفل کا انعقاد کریں

***

خود کو اس طرح آج شاد کریں
تم کو بھولیں تمہیں کو یاد کریں
تم سے ملنا نہیں قیامت تک
فیصلہ یہ بھی آج صاد کریں
رنگ کتنے ہیں تیرے چہرے کے
کس حوالے سے تجھ کو یاد کریں
کر کے احسان ہم پہ ناحق ہی
ہم سے وابستہ وہ مفاد کریں
آگ گھر کی انہیں بھی یاد رہے
شہر میں جو کبھی فساد کریں
آج خود سے ذرا سی دیر ملیں
آج پوری چلو مراد کریں
یاد میں ایک مرنے والے کی
آج محفل کا انعقاد کریں
سارے رستے جاتے جاتے اورطرف کو جا نکلے
اس کی جانب جانے کا پھر کوئی نہ رستہ یاد رہا

یوم پیدائش۔آغا ازمگسی

ادبی نوبیل ایوارڈ حاصل کرنے والی بین الاقوامی شہرت یافتہ ناول نگار، افسانہ نویس، کہانی نگار، ماہر نفسیات اور چینی تہذیب وثقافت اور چینی معاشرے کی ماہر پرل ایس بک 6 جون 1892 ورجینیا امریکہ میں پیدا ہوئیں۔انھوں نے زیادہ تر تعلیم چین کے شہر شنگھائی میں حاصل کی اور وہیں ایک زرعی ماہر ڈاکٹر لا سنگ سے شادی کی کچھ عرصے بعد ان سے طلاق لے لی اس کے بعد جاپان چلی گئیں وہاں ان کی ایک پبلشر رچرڈ واٹسن سے محبت ہوگئی اور اس کے ساتھ شادی کر لی۔ بعدازاں وہ واپس امریکہ آ گئیں۔ان کا پہلا ناول East 1931 West میں شائع ہوا لیکن انہیں ان کے ناول The Good Earth سے شہرت حاصل ہوئی 1938 میں انہیں ادب کے نوبل انعام سے نوازا گیا ان کے ناولوں کی تعداد 40 سے زائد ہے جبکہ ان کی کتابوں کی تعداد 60 کے لگ بھگ ہے جن میں افسانے اور کہانیاں بھی شامل ہیں۔ پرل ایس بک کی وفات 6 مارچ 1973 میں ہوئی۔ان کے ایک ناول پر فلم بھی بنائی گئی جبکہ ان کی کتابوں کے اردو سندھی سمیت دنیا کی کئی زبانوں میں ہو چکے ہیں۔

***

غزل اور نظم میں فرق۔غزل کا ارتقا

انتخاب وترسیل: سلیم خان

غزل عربی زبان کا لفظ ہے۔عربی قصیدے کا پہلا حصہ تشبیب فارسی میں قصیدے سے الگ ہو کر غزل کے روپ میں جلوہ نما ہوا۔یہ بات تو واضح ہے کہ غزل پہلے عربی زبان سے فارسی میں آئی اس کے بعد فارسی سے اردو تک کا سفر اس نے امیر خسرو کے عہد میں ہی کر لیا۔پھر اردو میں غزل واحد صنفِ سخن ہے جو غمِ جاناں، غمِ ذات اور غمِ دوراں کو تخلیقی اظہار دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ ایک ایرانی صنف ہے جو فارسی کے ساتھ ہندوستان میں رونما ہوئی اور اب اردو میں مقبول ہے۔

غزل کی تعریف

غزل ایک مقبول ترین صنفِ شاعری ہے۔اس کے لغوی معنی عورتوں سے باتیں کرنا۔ یا پھر عورتوں کے متعلق باتیں کرنا ہیں۔ ہرن کے بچے کے منہ سے نکلنے والی درد بھری آواز کو بھی غزل کا نام دیا جاتا ہے۔قیس رازی نے المعجم میں غزل کے سلسلے میں یہ نشاندہی کی ہے کہ لفظ غزل دراصل غزال سے ہے۔ڈاکٹر سٹن گاس نے کہا ہے کہ غزل سے مراد سوت کاتنے کے ہیں۔

غزل کی تشریح وتوضیح

ہیت کے لحاظ سے غزل ایک ایسی صنفِ سخن ہے جو چند اشعار پر مشتعمل ہو۔اس کا ہر شعر ہم قافیہ وہم ردیف ہوتا ہے۔ردیف نہ ہونے کی صورت میں ہم قافیہ ہوتا ہے۔ پہلا شعر جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوں،'مطلع' جبکہ آخری شعر جس میں تخلص استعمال ہوتا ہے'مقطع' کہلاتا ہے۔ غزل کا ہر شعر ایک مستقل اکائی کی حیثیت رکھتا ہے۔کیونکہ اس کے ہر شعر میں الگ ہی مفہوم باندھا جاتا ہے۔بعض اوقات ایک پوری غزل بھی ایک مضمون پر مبنیٰ ہوسکتی ہے۔غزل ایک بحر میں لکھی جاتی ہے۔

غزل میں تین اہم کردار خاص اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔جس میں عاشق، محبوب اور رقیب شامل ہیں۔شاعر ہمیشہ اپنے محبوب کے حسن و جمال کی عکاسی کرتا نظر آتا ہے۔پھر اس کے بعد اپنے محبوب کے ظلم وستم پر بھی

روشنی ڈالتا ہے۔اور بعدازاں اپنے رقیب کو بھی برا بھلا کہہ جاتا ہے۔شاعر یہ تمام صورتِ حال ایک خاص ترتیب سے بیان کرتا ہے۔جیسے ایک شعر میں اگر محبوب کے حسن کی کیفیت بیان کردی جاتی ہے تو دوسرے شعر میں ظلم وستم اور تیسرے میں ہجر کا دکھ بیان کیا جاتا ہے۔اس طرح دل کے جذبات کا اظہار، ہجر و وصال کی کیفیت، شکایت زمانہ، تصوف اور حقیقت و عرفان کے موضوعات سے بحث کی جاتی ہے۔غزل کا دائرہ وسیع ہے اس میں آج کے دور میں ہر طرح کا موضوع ڈالا جاسکتا ہے۔اور اقبال کی شاعری میں تو غزل نے ایک نئی اکائی کی صورت جنم لیا ہے۔آج کے دور میں بھی اس میں درخشاں تبدیلیاں رونما ہورہی ہیں۔حالی نے کیا خوب کہا ہے۔

ہے جستجو کہ خوب سے خوب تر کہاں
اب ٹھہرتی ہے دیکھیے جا کر نظر کہاں

اردو شاعری کا شمار تاریخ میں ایک بہت نمایاں اور پر اثر ار طریقہ اظہار خیال کے طور پر کیا جاتا ہے اور اسکی بنیادی وجہ اس کی مختلف اضاف اور رنگینی ہے۔آج اردو شاعری کو دنیا بھر میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔فیس بک پر شاعری کی اہمیت اور مقبولیت منہ بولتا ثبوت ہے۔مختلف انداز میں مختلف افراد فیس بک کی حد تک شاعری میں اپنا ایک نام رکھتے ہیں مگر دکھ اس وقت ہوتا ہے جب بظاہر کئی کئی کتابوں کے مصنف اور ان گنت غزلوں اور نظموں کے خالق شاعری کے بنیادی رموز سے بھی واقف نہیں۔جب ان سے ان کے کلام کے بارے میں ہی پوچھا جائے کہ کیا یہ ہے غزل ہے یا نظم؟ تو جواب میں جو آتا ہے وہ انتہائی تکلیف دہ احساس کا قیدی بنا جاتا ہے۔مجھ سے بھی میری شاعری کے حوالے سے کئی بار سوالات پوچھے گئے اور میں نے برملا اعتراف کیا کہ میں خود اس بحرِ سخن کی لہروں پر غوطہ خور ہوں مگر ایک اہم جستجو میرے وجود کا حاصل بن گئی جس وجہ سے میں اپنے ناقص علم کی بدولت غزل اور نظم پر روشنی ڈالنا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ نئے لکھنے والوں کے ساتھ ساتھ اردو ادب سے دلچسپی رکھنے والے خواتین وحضرات کے علم میں یہ بنیادی باتیں آسکیں۔

اردو غزل

غزل شاعری کی ایک صنف (قسم) ہے جو اشعار کا مجموعہ ہوتی ہے اور جس کو باضابطہ منظوم ہونے کے باعث گایا جاسکتا ہے۔اس کا آغاز دسویں صدی میں فارسی شاعری سے ہوا اور بعدازاں اس پر عربی اور فارسی ادب کے بھی اثرات آگئے۔اسی اثر نے اردو زبان میں صوفیانہ رنگ بھر دیا۔اردو زبان میں غزل ایک غیر معمولی طریقہ اظہار ہے جس میں آپ اپنے بے انتہا اندرونی رومانی جذبات کی عکاسی کر سکتے ہیں۔لفظ غزل کا ادبی مطلب اپنے محبوب سے گفتگو ہے۔تاریخ الفاظ کی رو سے یہ عربی زبان کے لفظ غزال سے بنا ہے جس کے معنیٰ ہرن کے ہیں جو ایک خوبصورت معصوم جانور ہے عام فہم زبان میں غزل ایک ایسی پابند منظوم صنف ہے جس میں سات، نو، یا درجن بھر یکساں وزن اور بحر کے جملوں کے جوڑے ہوں۔اس کا آغاز جس جوڑے سے ہوتا ہے وہ مطلع کہلاتا ہے اور اختتام کے کوڑے کو مقطع کہتے ہیں جس میں شاعر اپنا تخلص یا نام بھی استعمال کرتے ہیں۔تمام جوڑے اور ہر جوڑے کے ہر انفرادی جملے کا یکساں دراز ہونا لازم ہوتا ہے۔

پابند جملوں کے یہ جوڑے شعر کہلاتے ہیں اور زبان اردو میں شعر کی جمع اشعار کہلاتی ہے۔غزل کے بنیادی نظریہ اور تعریف کے مطابق اس کا ہر شعر اپنی جگہ ایک آزاد اور مکمل منظوم معنیٰ رکھتا ہے۔کسی بھی شعر کے خیال کا اس سے اگلے شعر میں تسلسل ضروری نہیں ہوتا۔ایک غزل کے اشعار کے درمیان مرکزی یکسانیت کچھ الفاظ کے صوتی تاثر یا چند الفاظ کا ہر شعر کے دوسرے مصرعے میں تکرار سے ہوتا ہے۔اس سے ہٹ کر بھی کسی غزل کے ایک سے زیادہ اشعار کسی ایک ہی خیال کو مرکزی ظاہر کر سکتے ہیں۔لیکن ہر شعر اپنی جگہ منظوم قواعد وضوابط کا پابند ہونا چاہیے۔جن غزلوں میں ایک سے زائد اشعار ایک ہی مرکزی خیال لئے ہوتے ہیں انکو نظم یا نظم نما غزل بھی کہا جاسکتا ہے کیونکہ اردو زبان میں لفظ نظم کا واضح مطلب جملوں کے اختتام پر وزن اور صوتی اثر کا یکساں ہونا ہے۔غزل کے ہر شعر کے دوسرے مصرعے میں آخری ایک دو یا زیادہ سے زیادہ تین سو الفاظ پوری غزل کا توازن برقرار رکھتے ہیں اور غزل کے مطلع کا پہلا مصرعہ بھی انہی الفاظ پر ختم ہونا چاہیے۔اسے غزل کا 'ردیف' کہتے ہیں ردیف سے پہلے کا لفظ منظوم ہونا ضروری ہے جو 'قافیہ' کہلاتا ہے۔یہ اردو غزل کی ایک بنیادی ضرورت ہے۔

اردو نظم

اردو نظم کی خوبصورتی سے واقفیت ہونے کے لئے ضروری ہے کہ پڑھنے والا غزل اور نظم کا تقابلی تجزیہ کرسکتا ہو۔کیونکہ دونوں اصناف میں بہت سی قدریں مشترک بھی ہیں اور کہیں کہیں ان میں مماثلت اتنی بڑھ جاتی ہے کہ

فرق کی باریک لکیر کو دیکھنے کے لئے بہت غور کرنا پڑتا ہے۔اس کے باوجود یہ دونوں اصناف اپنی اپنی جگہ منفرد اور آزاد حیثیت بھی رکھتی ہیں۔

اردو زبان میں نظم بنیادی طور پر شاعری کی ایک ایسی قسم ہے جس میں کسی ایک ہی خیال کو الفاظ کے ہموار بہاؤ کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ جہاں تمام اشعار لکھنے والے کے خیال کے تسلسل کا اظہار کرتے ہیں جبکہ دوسری جانب غزل کا ہر شعر اپنی جگہ مکمل اور مختلف معنیٰ رکھتا ہے۔اگر وسیع پیمانے پر دیکھا جائے تو نظم اردو شاعری کی ان تمام اقسام کی نمائندگی کرتی ہے جن کو کسی اور تعریف کے ذریعے بیان نہیں کیا جاسکتا لیکن ادبی نکتہ نظر سے نظم شاعری کی ایک بہت منظوم اور منطقی لحاظ سے غیر محسوس طور پر ٹھوس صنف ہے جس میں شاعری کا مرکزی خیال ایک ہوتا ہے اگرچہ روایتی نظم میں بھی پابندیاں ضروری ہیں لیکن کئی جگہوں پر ہمیں کئی شاہکار آزاد نظموں کی بھی مثالیں ملتی ہیں۔

نظم کے ادبی معنیٰ نثر کی ضد کے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ نظم کی ظاہری شکل میں بھی تغیر رونما ہوا ہے۔انیسوی صدی کے آخری عشروں میں تو اس کی ترکیبوں میں واضح تبدیلیاں آ گئیں۔لیکن پھر اس کی قدیم تاریخ کے باعث اس کی انفرادیت اور کشش میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔نظم میں طوالت کی کوئی پابندی نہیں ہوتی اس میں شاعر کا تخیل ارتکاز کے ساتھ ساتھ تفصیل سے بیان ہوتا ہے اور اس میں ایک خیال کی مرکزیت کو بگاڑے بغیر بہت وسیع انداز سے مضمون کو پھیلانے کی گنجائش ہوتی ہے۔

اسی ممکنہ پھیلاؤ کی گنجائش کے باعث نظم کو اردو ادب میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔نظم لکھنے کے لئے شاعروں کا ہر دور میں مرغوب ترین موضوع محبت رہا ہے اور یہی رومانوی انداز تمام اردو شاعری کی اساس بھی ہے نظم کے ذریعے محبت کی خوبصورتی کو بہت باوقار سادہ اور نازک انداز میں پیش کیا جاتا ہے بلکہ نہ صرف محبت بلکہ فطرت کا حسن غم خوشی زندگی کی چمک وموت کا درد ہر موضوع کے لئے نظم ایک بہترین ذریعہ اظہار ہے جس میں اس موضوع کے معنیٰ اور مفہوم کو ذہن میں رکھ کر طویل بات کی جاسکتی ہے بیشتر مقام پر نظم کا مرکزی خیال قاری کو افسانوی دنیا کے بجائے موضوع کی ایک منطقی اور ٹھوس وضاحتی تصویر فراہم کرتا ہے۔نظم غزل کے مقابلے میں زیادہ حقیقی طریقہ اظہار ہے جبکہ غزل عام طور پر قاری کو محض افسانوی سرابوں کا شکار بناتی ہے۔

غزل اور نظم کے درمیان فرق

نظم کے ان غیر نکتوں کو سمجھنے کے لئے نظم اور غزل کو آمنے سامنے رکھ کر تقابلی جائزہ لینا بہت مددگار ہوتا ہے جہاں دونوں اصناف کی ضد اور مماثل ہونے کا اندازہ کیا جاسکے۔نظم ایک اور بھی اہم انداز سے غزل سے قدرے مختلف ہوتی ہے غزل کو یہ افتخار حاصل ہے کہ بنیادی طور پر یہ نظم ہونے کے باوجود اپنے اشعار کے ایک دوسرے سے تسلسل اور بندھے ہونے کی پابند نہیں ہوتی غزل کا شاعر اگر چاہے تو غزل میں تمام منظوم پابندیوں کے ساتھ ساتھ پہلے شعر میں محبت دوسرے میں موت تیسرے میں حسد اور چوتھے میں تصوف وغیرہ پر الگ الگ اظہار کرسکتا ہے جبکہ نظم کا حال اس سے بالکل مختلف ہے جہاں بنیادی خیال کو ہی مرکزیت حاصل ہے اور ابتداء سے اختتام تک اسی خیال کا ارتقاء ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہر نظم کا باقاعدہ ایک موضوع ہوتا ہے نام ہوتا ہے جسے ٹائٹل کہا جاتا ہے جبکہ غزل اس نکتے سے آزاد یا یوں کہیں کہ اس صلاحیت سے محروم ہوتی ہے۔

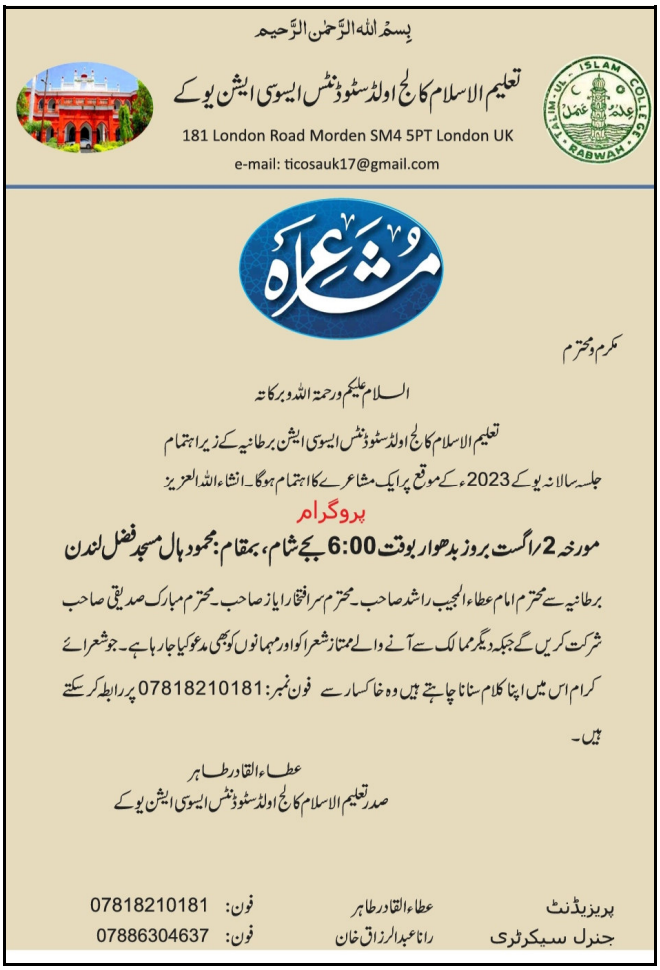

****

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن یو کے

181 London Road Morden SM4 5PT London UK

e-mail: ticosauk17@gmail.com

مشاعرہ

مکرم ومحترم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ کے زیر اہتمام

جلسہ سالانہ یو کے 2023ء کے موقع پر ایک مشاعرے کا اہتمام ہوگا۔انشاء اللہ العزیز

پروگرام

مورخہ 2/اگست بروز بدھوار بوقت 6:00 بجے شام، بمقام: محمود ہال مسجد فضل لندن

برطانیہ سے محترم امام عطاء المجیب راشد صاحب۔محترم سرافتخار ایاز صاحب۔محترم مبارک صدیقی صاحب شرکت کریں گے جبکہ دیگر ممالک سے آنے والے ممتاز شعرا کو اور مہمانوں کو بھی مدعو کیا جارہا ہے۔جو شعرائے کرام اس میں اپنا کلام سنانا چاہتے ہیں وہ خاکسار سے فون نمبر: 07818210181 پر رابطہ کرسکتے ہیں۔

عطاء القادر طاہر
صدر تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن یو کے

پریزیڈنٹ	عطاء القادر طاہر	فون: 07818210181
جنرل سیکرٹری	رانا عبدالرزاق خان	فون: 07886304637

ادبی اصطلاحات

انتخاب وترسیل: سلیم خان

❁- اصطلاح سے مراد ایسے الفاظ کا مجموعہ ہے جو حقیقی مفہوم کی بجائے کسی علم یا فن کے خاص مفہوم کی وضاحت کرے۔ آفاقیت...ادب جب حدود سے نکل کر اپنے عہد یا ملک کے پڑھنے والوں کے علاوہ پوری دنیا کو کے لوگوں کو متاثر کرے آفاقی ادب کہلاتا ہے۔❁-آمد-مضبوط احساسات اور جذبات کے بے ساختہ اظہار کو آمد کہتے ہیں۔ ❁- توارد-جب کوئی ایک خیال یا مضمون کسی شاعر کے ذہن میں آئے پھر وہی خیال یا مضمون کسی دوسرے شاعر کے ذہن میں بھی آئے جو محض اتفاق ہو توارد کہلاتا ہے۔

❁- آہنگ۔اصوات وحرکات میں اگر مناسب اور یکساں وقفے آئیں تو وہ مل کر آہنگ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔❁-اتحال-دوسرے کی تخلیق کو اپنالینا اور اپنے نام سے پیش کرنا اتحال کہلاتا ہے۔❁-ارفعیت۔ایسا ادب جو قاری کو تخیل کی بلندیوں پر تک لے جائے اور مسرت کا سامان بنے وہ ادب ارفعیت کہلاتا ہے۔❁-ایجاز-کم سے کم الفاظ میں اگر بھرپور معنی سمجھ میں آجائیں تو اسے ایجاز کہتے ہیں۔❁-ابتذال-کسی بھی کلام میں گھٹیا پست اور سوقیانہ الفاظ کا استعمال ابتذال کہلاتا ہے۔❁-اسلوب-تحریر کا وہ خاص طریقہ جو عمومیت سے دور ہو اور اپنی انفرادیت کا اعلان کرے اسلوب کہلاتا ہے۔ ❁-امیجری-جب کوئی شاعر مناسب الفاظ کا استعمال کر کے کسی چیز یا واقعہ کو اس طرح بیان کرے کہ وہ خیالی تصویر بن کر آنکھوں کے سامنے گھومنے بلاغت۔ وہ فصیح کلام جو موقع محل کے مطابق استعمال کیا گیا ہو بلاغت کے زمرے میں آتا ہے۔

❁- تفریس-کسی غیر زبان کے لفظ کو بغیر کسی تبدیلی کے فارسی بنالینا تفریس کہتے ہیں۔ ❁-مفرس-جب غیر زبان کا لفظ فارسی بن جائے تو اسے مفرس کہتے ہیں۔❁-تالیف-ادھر ادھر کے بکھرے مواد یا چیزوں کو خاص ترتیب یا سلیقہ سے کتابی شکل دینا تالیف کہلاتا ہے۔❁-گلدستہ-وہ رسالے جن میں طرحی غزلیں شائع ہوتی تھیں ان کو گلدستہ کہا جاتا تھا۔

❁-لوح-کسی بھی کتاب کے پہلے صفحے یا سرورق کو لوح کہا جاتا ہے۔

❁- مخطوط-وہ قلمی نسخے جس کی اشاعت نہ ہوئی ہو مخطوطہ کہلاتا ہے۔

❁-مقالہ-کسی خاص موضوع پر عالمانہ تنقید وتحقیق پر مبنی نثری مضمون کو مقالہ کہتے ہیں۔❁-مناظمہ-کسی محفل مشاعرہ میں طرح مصرع پر مبنی نظمیں پیش کرنا مناظمہ کہلاتا ہے۔❁- نرگسیت-اپنے آپ کا حد سے بڑھا ہوا احساس یا خود پرستی کا دوسرا نام نرگسیت ہے۔

❁- غرابت-کلام میں نامانوس الفاظ یا مرکبات کا استعمال غرابت کہلاتا ہے۔❁-علم الکلام یعنی احکامات اور مذہبی عقیدے کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنا علم الکلام کہلاتا ہے۔❁-تنافر-تلفظ اگر زبان پر بھاری اور گراں گزریں تو وہ تنافر کے زمرے میں آئے گا۔❁- زمین-شعر میں ردیف قافیہ اور بحر کے نظام کو زمین کہتے ہیں۔❁-تقریظ-کسی کتاب کے بارے میں تعریفی کلمات لکھنا تقریظ کہلاتا ہے۔❁-مقدمہ-کتاب کے شروع میں کتاب کے مصنف یا مؤلف کا تعارف پیش کیا جاتا ہے اس میں اس کی زندگی کے حالات اور اس کے کردار کی تصویر کشی بھی کی جاتی ہے۔

***

پاکستان کے شہرہ آفاق مصور، خطاط ونقاش اور شاعر ''سید صادقین صاحب'' کا یومِ ولادت

نام سید صادقین احمد نقوی المعروف صادقینؔ۔

30 جون 1920ء کو ہندوستان کے ممتاز علمی شہر امروہہ (اتر پردیش) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم آبائی شہر امروہہ ہی میں حاصل کی، بعد ازاں آگرہ یونیورسٹی سے بی اے کیا۔ تقسیم ہند کے بعد آپ اپنے خاندان کے ہمراہ کراچی چلے گئے۔ ان کے والد سیّد سبطین احمد نقوی کا گھرانہ خطاطی کے حوالے سے بہت پہلے سے مشہور تھا، 1940ء کی دہائی میں وہ ادب کی ترقی پسند تحریک میں شامل ہو چکے تھے، ان کی شخصیت میں پوشیدہ فنکارانہ صلاحیتوں کو سب سے پہلے پاکستان کے سابق وزیرِ اعظم حسین شہید سہروردی نے شناخت کیا۔ زندگی کے آخری دنوں میں جب وہ فریئر ہال کی دیوار پر پینٹنگ میں مصروف تھے، اچانک گر پڑے اور 10 فروری 1987ء کو کراچی کے ایک اسپتال میں خالقِ حقیقی سے جا ملے، سخی حسن کا قبرستان ان کی آخری آرام گاہ ہے۔

***

پاکستان کے مسلمان اور پولیس مبارک باد

قربانی کا گوشت اور خون اللہ تک نہیں پہنچتا بلکہ اللہ کے راہ میں تقویٰ سے کی گئی قربانی قبول ہوتی ہے۔

!اب بتاؤ ان بکروں کا کیا کرو گے یہ تو ایک پاکستانی احمدی نے سنت ابراہیمی پر قربان کر دیئے اس کی قربانی یقیناً خدا نے قبول کر لی ہوگی؟ اور تم خدا کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قیامت کے دن کیا منہ دکھاؤ گے؟ کیا کرو گے اس قربانی کے بکروں کا؟ کیا جواب دو گے اِن کے خون اور گوشت کا؟

کیا سوچا؟ سوچو! اور جواب دو اس سے پہلے کہ دیر ہو جائے اور تم اپنی نظروں میں آپ گر جاؤ۔ والدین کا گھر! خلیل جبران کی یہ تحریر انگریزی میں لکھی گئی تھی۔ کسی نے اردو ترجمہ کیا اور رلا دیا۔۔۔ پوری تحریر ضرور پڑھیں۔

والدین کا گھر صرف یہی وہ گھر ہے جہاں آپ جب جی چاہے بغیر کسی دعوت کے جا سکتے ہیں یہی وہ گھر ہے جہاں آپ دروازے میں چابی لگا کر براہِ راست گھر میں داخل ہو سکتے ہیں یہ وہ گھر ہے کہ جہاں محبت بھری نگاہیں اس وقت تک دروازے پر لگے رہتی ہیں جب تک آپ نظر نہ آ جائیں یہ وہ گھر ہے جو آپ کو آپ کی بچپن کی بے فکری اور خوشیوں کے دن یاد دلاتا ہے یہ وہ گھر ہے جہاں آپ کی موجودگی اور ماں باپ کے چہرے پر محبت کی نظر ڈالنا باعثِ برکت ہے اور ان سے گفتگو کرنا اعزاز کی بات ہے۔ یہ وہ گھر ہے جہاں آپ نا جائیں تو اس گھر کے مکینوں ک دل مرجھا جاتے ہیں۔ یہ وہ گھر ہے جہاں ماں باپ ک صورت میں دو شمعیں جلی رہتی ہیں تا کہ آپکی دنیا کو روشنی سے جگمائیں اور آپ کی زندگی کو خوشیوں اور مسرتوں سے بھر دیں یہی ہے وہ گھر جہاں کا دسترخواں خالص محبتوں سے بھر پور اور ہر قسم کی منافقت سے پاک ہے یہ وہ گھر ہے کہ اگر یہاں کھانے کا وقت ہو جائے اور آپ کچھ نہ کھائیں تو اس گھر کے مکینوں کے دل ٹوٹ جاتے ہیں اور وہ ناراض ہو جاتے ہیں۔ یہ وہ گھر ہے جہاں آپ کو ہر قسم کی خوشیاں اور قہقہے میسر ہیں آہ وہ ۔۔ لوگو ان گھروں کی اہمیت کو پہچانیں قبل اس کے کہ بہت دیر ہو جائے وہ لوگ بہت خوش قسمت ہیں جن کے پاس والدین کے گھر ہیں۔ جس مکان کے مکین والدین ھوں، وہ گھر ان ھی کا ھوتا ھے۔ اولاد کبھی یہ نہ کہے کہ والدین ''ہمارے پاس'' ہیں بلکہ ہمیشہ یہی کہے کہ ہم ''والدین کے پاس'' ہیں۔ یہی حقیقت ہوتی ہے۔

آفتابیات

❁- سویڈن میں قران مجید کی بے حرمتی سے ہر مسلمان کا دل دکھا ہوا ہے تکلیف کی شدید لہر اسے بے چین کیے ہوئے ہے حقیقت میں ایک عام مسلمان کا یہ عشق اور محبت ہمیشہ قائم ہے اور رہے گا لیکن افسوس تو اس اشرافیہ اور حکمران طبقہ پر ہے جو مذمت کے دو میٹھے بول بولنے کے بعد سکون کی نیند سو جاتے ہیں حیرت تو اس بات کی ہے کہ دنیا کے اٹھاون مسلم ممالک ایک سیالکوٹ شہر جتنی آبادی والے ملک کا بائیکاٹ نہیں کر سکتے۔

اصل میں یورپ اور مغرب کچھ عرصہ بعد اس طرح کی بدمعاشی اس لیے کرتے ہیں تا کہ دیکھ سکیں کہ کہیں مسلمان جاگ تو نہیں گئے؟ کہیں ان کو عیاشی سے فرصت تو نہیں مل گئی؟ اور ہر بار انہیں یہی جواب ملتا ہے کہ ملتِ اسلامیہ سو رہی ہے ورنہ جس دن یہ اٹھاون ممالک نے اسلام اور افکارِ اسلام کو سفارتی عمل میں نمائندہ بنا لیا اس دن سویڈن کیا امریکہ کو بھی گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے لیکن اپنے گھر، رکشے، موٹر سائیکل جلانے سے سویڈن کبھی بھی معافی نہیں مانگے گا۔ اور یہ تبھی ہوگا جب دنیا کو یہ بتایا اور دکھایا جائے کہ مسلمان کے لیے قرآن کریم کی عظمت کیا ہے۔

❁- ہنر، فن اور کام اپنی زبان آپ رکھتے ہیں جس طرح سورج اپنی چمک، تپش اور روشنی سے اپنا وجود ثابت کرتا ہے اسی طرح فن کار اپنے فن سے زندہ رہتا ہے۔ وہ فرد بہت قابلِ رحم ہوتا ہے جو دنیا کو اپنے ہنر اور فن سے تو جگا نہ سکے لیکن اپنی زبان سے بزعم خود کسی بھی میدان کا شہسوار کہلائے۔

حقیقت میں ہر فرد شہرت اور عزت کا طلب گار ہوتا ہے اور یہی چیز اس فرد کو آگے بڑھنے پر آمادہ کرتی ہے لیکن تالی اور داد ہمیشہ وہی اثر رکھتی ہے جو دوسروں کے ہاتھ اور زبان سے ادا ہو کیونکہ یہ دنیا لوہے کی اس بھٹی کی مانند ہے جس میں بھڑکنے والی آگ صرف وہی وجود برداشت کرتی ہے جو آگ کی حدت میں ڈھلنا جانتا ہو اور اگر کوئی لکڑی کو لوہا بنا کر اس آگ میں جھونکے گا تو وہ لکڑی فولاد کی بجائے ایندھن کی شکل اختیار کر جائے گی۔

علی اکبر ناطق ۔ آج کے نوجوان کا کہنا ہے

آج کے نوجوان کا کہنا ہے کہ تمھارے مسلسل جھوٹ بولنے نے مجھے تم سے نفرت پر مجبور کر دیا ہے۔تم کہتے تھے، محمد بن قاسم ہندوستان میں خالص اسلام کی تبلیغ کے لیے آیا تھا جبکہ مجھے معلوم ہوا، وہ بنی اُمیہ کے ظالموں کا ایک نمائندہ تھا اور اسلام سے بے خبر سفاک ترین شخص حجاج کا بھتیجا اور محض ایک قاتل تھا۔تم نے ہمیں پڑھایا محمود غزنوی ایک مجاہد، نیک دل، پارسا اور بت شکن تھا۔لیکن بعد میں ہمیں پتا چلا، وہ محض ایک افغانی راہزن اور سوڈانی تھا تم نے ہمیں بتایا کہ پاکستان اسلامی جمہوریہ ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ تم نے مسلسل اِسے مارشل لا میں رکھا۔

تم نے ہمیں پڑھایا کہ پاکستان کا ایک آئین ہے جبکہ اصل بات یہ نکلی کہ تم نے اُس آئین کو اپنے بوٹوں کے نیچے رکھا اور ہمیشہ آئین کو چیتھڑا بنا دیا۔تم نے ہمیں بتایا کہ سیاستدان کرپٹ ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ سیاستدانوں کی کرپشن تمھاری کرپشن کی نسبت ایک بال برابر بھی نہیں۔

تم نے ہمیں بتایا کہ ہندوستان مسلسل ہمارے ملک میں دراندازی کرتا ہے جبکہ ٹھیک بات یہ نکلی کہ تم ہی نے خود سپاہِ صحابہ اور اِس طرح کے دہشت گرد بنائے اور اُنھیں اپنے پرائے کے لیے استعمال کرتے ہو۔تم نے ہمیں بتایا کہ سیاستدان نالائق ہیں، اُنھیں کام کرنا نہیں آتا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اول یہ سیاست دان بنائے ہی آپ نے ہیں۔ ہمارے بنائے ہوئے نہیں، دوئم تم نے اِنھیں کام کرنے ہی نہیں دیا۔تم جھوٹ بولتے ہو، تم جھوٹے ہو۔ تمھارا وقار اور اعتبار ختم ہو گیا ہے۔تمھاری عزت دو کوڑی نہیں رہی۔ جو مرضی کرلو۔تمھارا مکر ظاہر ہو چکا ہے۔

لہٰذا اب آج کا نوجوان تم سے نفرت کرتا ہے اور یاد رکھیں ہمیشہ کرتا رہے گا جب تک تم اِس قوم کے نوجوان سے معافی مانگ کر واپس اپنی بیرکوں میں نہیں چلے جاتے۔اور قول سے نہیں بلکہ عمل سے ثابت نہیں کر دیتے کہ تم واقعی نیوٹرلز ہو ۔

بنام وزیراعظم پاکستان و چیف جسٹس سپریم کورٹ آف پاکستان

(اک نظر ادھر بھی)
تعلیمی شاخوں پر بیٹھے ہوئے اُلو

تحریر و تجزیہ (پروفیسر آفتاب شاہ سیالکوٹ)

ملکِ خداداد میں تعلیم کا شعبہ ہمیشہ سے نظر انداز کیا جاتا رہا ہے پایانِ سیاست کاروں سے تو گلہ کیا کرنا یہاں پر تو تعلیم سے وابستہ افراد ہی اس کے شدید ترین دشمن ہیں۔ایسی ہی ایک مثال ہائیر ایجوکیشن کمیشن (ایچ ای سی) کی ہے۔دنیا کو تو یہی بتایا جاتا رہا ہے کہ یہ ادارہ تعلیم کے فروغ کے لیے کام کرتا ہے لیکن اس کے حالیہ اقدامات سے تو تعلیم دشمنی کھل سامنے آجاتی ہے۔ پاکستان میں 14 سالہ تعلیم گریجویشن کہلاتی ہے اور 16 سالہ تعلیم ماسٹر کہلاتی ہے۔جس کو عام طور پر ایم اے، ایم ایس سی کہا جاتا ہے۔

ایم اے، ایم ایس سی کی ڈگری ہر یونیورسٹی ریگولر اور پرائیویٹ امتحانات کی صورت میں جاری کرتی رہی ہے۔پرائیویٹ طلباء و طالبات کی بہت بڑی تعداد اس سے اس لیے مستفید ہوجاتی تھی کہ دن کو محنت مزدوری کر کے پیٹ بھی پالا جاسکتا ہے اور رات کو گھر میں پڑھا بھی جاسکتا ہے۔خواتین کی بڑی تعداد جن کو گھر والے کسی ادارے میں داخلہ لے کر نہیں دیتے تھے وہ خواتین بہت آسانی سے گھر میں بیٹھ کر داخلہ بھجوا دیتی تھیں اور امتحانات کے بعد ایم اے، ایم ایس سی کی ڈگری حاصل کر لیا کرتی تھیں صرف پنجاب یونیورسٹی میں شعبہ انگریزی اور اردو میں ہر سال پرائیویٹ طلباء و طالبات کی تعداد 50 ہزار سے زائد ہوتی ہے جبکہ پنجاب یونیورسٹی 15 سے زائد ماسٹر پروگرام پرائیویٹ کروا رہا تھا اسی طرح کراچی یونیورسٹی کا ماسٹر کا بجٹ 4، ارب روپے تک پہنچ جایا کرتا تھا۔

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ پورے ملک میں پرائیویٹ طلباء و طالبات کی کتنی بڑی تعداد ماسٹر پروگراموں میں شامل ہو کر شرح خواندگی میں اضافہ کر رہی تھی اور ساتھ ساتھ یونیورسٹیوں کو داخلہ فیس اور رجسٹریشن فیس کی مد میں ریونیو بھی مہیا کر رہی تھی جس سے تقریباً تمام یونیورسٹیوں کا معاشی بحران نہ ہونے کے برابر رہتا تھا۔اب کسی انتہائی قابل، محنتی اور تعلیم دشمن ہائیر ایجوکیشن کمیشن کے آئن سٹائن نے راتوں رات یہ احکامات جاری کر دیئے کہ ماسٹر پروگرام ختم کر دیا گیا ہے اور اس کی جگہ بی ایس ففتھ میں

داخلہ ملے گا۔ان عقل کے اندھوں نے بغیر کوئی پالیسی بنائے یہ پروگرام جب اچانک ختم کردیے تو پرائیویٹ طلباء و طالبات پریشان ہوگئے کیونکہ اب انہیں ریگولر پڑھنا پڑتا وہ طالب علم جو گھر بیٹھ کر 16 ہزار میں ایم اے،ایم ایس سی کرلیا کرتا تھا اب چار سمسٹر کی فیس 2 لاکھ روپے ادا کرے گا ساتھ رجسٹریشن فیس اور امتحانی فیس الگ ہوگی۔لیکن اس سے بھی بڑا مسئلہ یہ بن گیا کہ کسی بھی یونیورسٹی کے پاس پرائیویٹ طلباء و طالبات کے لیے کوئی متبادل پروگرام موجود نہیں ہے۔اس کے علاوہ ہر یونیورسٹی کی اپنی پالیسی ہے جس کے مطابق صرف 45 فیصدی والا طالبِ علم ہی ففتھ سمسٹر میں داخلہ لے سکتا ہے اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ 33 فیصدی سے لیکر 44 فیصدی والوں کو زہر دے دیا جائے تاکہ نا رہے بانس نہ بجے تعلیم کی بانسری۔ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ کچھ یونیورسٹیوں میں جس مضمون میں ریگولر داخلہ لیا جاتا ہے اس کا بی اے، بی ایس سی میں پڑھا جانا لازم ہے اب اکثریتی طلباء و طالبات نے وہ مضمون بی اے، بی ایس سی میں پڑھا ہی نہیں ہوتا تو ان کو داخلہ کس طرح مل سکتا ہے؟ جس طرح ایم اے اردو کرنے والے کے لیے ضروری نہیں تھا کہ اس نے پہلے گریجویشن میں اردو پڑھی یا رکھی ہو لیکن وہ ایم اردو کرسکتا تھا اسی طرح بی ایس سی، یا بی کام والے بھی ایم اے اردو، ہسٹری یا کسی بھی ایم اے میں شامل ہوسکتے تھے اب ان کے لیے یہ بھی ممکن نہیں رہا۔

اسی طرح خود یونیورسٹیوں کو یہ علم نہیں ہے کہ کس قانون اور قاعدے کے وہ گریجویشن کے طلباء و طالبات کو داخلہ دیں گے۔عقلی لحاظ سے بھی اگر دیکھا جائے تو کیا 65 فیصدی دیہات میں رہنے افراد شہروں کی اس سکیم سے مستفید ہوسکتے ہیں؟ یہ ایسی صورت حال ہے جس کا ادراک نہ تو حکمرانوں کو ہے اور نہ ہی خود ساختہ تعلیم کے ماہرین کو ہے۔کیوں کہ ایک سال پہلے گریجویشن کرنے والے طلباء و طالبات کا نہ صرف سال ضائع ہو چکا ہے بلکہ ان کا مستقبل بھی تاریک نظر آرہا ہے۔اگر ایچ ای سی کی اس بات سے اتفاق کرلیا جائے کہ تمام طلباء و طالبات کو ریگولر ہی پڑھنا پڑے گا تو کیا ایسا ممکن ہے؟ اگر ایک لاکھ طلباء و طالبات میں سے دس ہزار داخلہ لے لیں اور باقی تعلیم چھوڑ دیں تو کیا یہ ناانصافی اور ظلم نہ ہوگا؟ اسی طرح ابھی تک اس بات کی سمجھ بھی نہیں آئی کہ آخر ماسٹر پروگرام کی ڈگری ختم کرنے سے ہمیں دنیا میں کیا مقام مل جائے گا؟ ایسا کیا حاصل ہوجائے گا جو پہلے موجود نہیں تھا؟ اگر حکومت تعلیم سستی نہیں کرسکتی تو وہ ایسے اقدامات کی حمایت کس طرح کرسکتی ہے جس سے غریب طبقہ تعلیم سے دور ہوجائے؟ دوسری طرف ہمارا ہمسایہ ملک ہندوستان ماسٹر پروگرام کو نا صرف جاری رکھے ہوئے ہے بلکہ اس میں مزید آسانیاں بھی پیدا کر رہا ہے۔اگر ایچ ای سی کو ماسٹر پروگرام بند ہی کرنے تھے تو بی ایس پرائیویٹ طلباء و طالبات کے لیے متعارف کروا دیتا۔یا پھر دو سالہ کوئی ایسی ڈگری متعارف کروائی جاسکتی تھی جو ملازم پیشہ، غریب اور مستحق طلباء و طالبات کم پیسوں کے ساتھ مکمل کر سکتے۔ماسٹر پروگرام ختم کرنے والوں کی اپنی ڈگریاں بھی ماسٹر کی ہی ہیں اس کے باوجود بغیر متبادل پروگرام دیے ہوئے اس کا خاتمہ طلباء و طالبات اور تعلیم کے لیے ظلمِ عظیم ہے۔ہائیر ایجوکیشن کمیشن کا رویہ عوام اور یونیورسٹیوں کے ساتھ کیموں والا ہے بلکہ بعض اوقات تو فرعون کی جانشینی کا حق ادا کرتے ہوئے بھی یہ ادارہ شعور اور تعلیم کا کھلا دشمن نظر آتا ہے۔افسوس تو اس بات کا ہے کہ اس معاملے پر میڈیا بھی چپ سادھے بیٹھا ہے اور یونیورسٹیوں کی انتظامیہ بھی بس دکھائی دیتی ہیں۔اس بے حسی اور تعلیم دشمنی کا نتیجہ سوائے ملک وقوم کے نقصان کے سوا کچھ بھی نہیں ہے کاش کوئی اہلِ دانش ایچ ای سی کے تعلیمی الوؤں کو تعلیم کی شاخ سے اڑا کر کسی شاہین نظر کو اس پر بٹھا دے کاش! یہ تعلیمی اُلوشعور کی سیڑھی طے کر کے دیکھنے کی صلاحیت حاصل کرلیں! کاش۔۔کاش۔۔۔کاش۔

آفتاب شاو

گداز تکیہ تمہاری بانہیں نشیلی آنکھیں لسانِ قدرت
خطوط شب کے لٹیں ہیں تیری بدن کی خوشبو زبانِ قدرت
قدم اُٹھانا غضب قیامت، کمر کا حلقہ مقامِ حیرت
صراحی گردن سوالِ رفعت وجود رقصاں اڑانِ قدرت
جمال تیرا کرشمہ ربّ کا حسین رنگت عطائے فطرت
لبوں کی لالی گلاب جیسی بھنور ذقن کا مکان قدرت
کتاب چہرہ گلال چہرہ لبوں کے کونوں پہ خال پہرہ
اٹھان شعلہ اٹھان فتنہ بدن کی حدت اٹھانِ قدرت
کمان پلکیں، ہلال ابرو، فریب نظریں، مثال نیناں
سلیم فطرت، متین عادت چمکتا ماتھا نشانِ قدرت

ادبی قدروں کا زوال اور بکواسیات کی تہذیب

رجل خوشاب

منافق معاشرے میں سچائی کو عیب سمجھا جاتا ہے۔ دروغ گوئی اور کذب بیانی فن کا درجہ رکھتی ہے۔ ویسے بھی ہمارے ملک میں تو ہر کام اُلٹا ہو رہا ہے۔ اداکار رمضان ٹرانسمیشن چلا رہے ہیں۔ فاحشہ عورتیں پردے کے احکام بتا رہی ہیں۔ شیدے ٹلی جیسے ابن الوقت لوگ سیاسی اخلاقیات سکھاتے نظر ہیں۔ مفتی عبدالقوی جیسے رنگین مزاج لوگ علماء ونگ کے سربراہ بھی بن جاتے ہیں۔ بدکردار اور خائن لوگ معاشرے کو تقوے کا بھاشن دیتے نظر آتے ہیں۔

جسمانی و ذہنی معذور گماشتے عقل کل بنے ہوئے ہیں۔ ناقص الخلقت گندی نالیوں کے گندے کیڑے کمال اداکاری سے اخلاقیات کا درس دیتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ کوتاہ قامت لوگ بام فلک کو کوستے دکھائی دیتے ہیں۔ پرلے درجے کے احمق لوگ فلسفیانہ موشگافیاں جھاڑتے نظر آتے ہیں۔ یعنی ہر شعبہ ہائے حیات میں منافقت پورے عروج پر ہے۔ احساس کمتری سے پیدا ہونے والی جیلسی کا علاج تو شاید حکیم لقمان کے پاس بھی نہیں تھا۔ کس منصوبہ بندی کے تحت ہیرو ولن اور ولن ہیرو بنا دیا جاتا ہے۔ اچھے بھلے جہاں دیدہ لوگ بھی کنفیوز ہو جاتے ہیں۔ ایسے بالشتیے کمال مہارت سے اپنی نجاست فکر کو خوبصورت الفاظ کا جامہ پہنا کر سادہ لوح لوگوں کو گمراہ کرنے کی ناکام کوشش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ دنیا ایسے شیاطین کے شر سے پناہ مانگنی چاہیے۔ قرب قیامت کی نشانیاں ہیں۔ کیا کیا عجائبات دیکھنے کو مل رہے ہیں۔ کیا حیرت کی بات نہیں ہے کہ گدھے گھوڑوں پر حکومت کریں گے۔ لونڈے بڑوں کو سبق سکھائیں گے۔ کل کے چھوکرے آنکھیں دکھائیں گے اور خبث باطن کے اظہار سے ذرا نہ شرمائیں گے۔ کنویں کا مینڈک یہی سمجھتا ہے کہ ساری کائنات کنویں پر ہی مشتمل ہے جب کہ اللہ کی کائنات بہت وسیع ہے۔ ہر علم سے بڑھ کے علم والا موجود ہے۔ کوئی چیز بھی حرف آخر نہیں ہے۔ کوئی بھی عقلِ کل نہیں ہے۔

بقول شاعر آوازِ سگاں کم نہ کنار رزق گدارا

جنہیں اللہ قامت فلک عطا کرتا ہے بونے ایڑھیاں اُٹھا کر بھی برابری کا خواب نہیں دیکھ سکتے۔ آج کے دور میں کسی شریف آدمی کی عزت نفس محفوظ نہیں۔ ہر سمت ابلیس کے چیلے دندناتے نظر آتے ہیں۔ ہر خبیث النفس انسان شرفاء کی ہتک حرمت کے درپے ہے۔ وضعدار لوگوں کی بے سبب پگڑیاں اُچھالی جاتی ہیں۔ راتوں رات نامور شاعر پیدا ہو رہے ہیں۔ راتوں رات نابغہ روزگار نقاد منظر عام پر آ رہے ہیں۔ راتوں رات علوم وفنون کے ماہر منصۂ شہود پر آ رہے ہیں۔

نجی تعلیمی ادارے فیس کے بدلے ڈگریاں بانٹ رہے ہیں وہ لوگ صاحب مقالہ بن گئے جو ایک جملہ۔ لکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ گوگل کی برکات اور کمرشل ازم نے ریڈی میڈ اسباب مہیا کر دیئے ہیں۔ عوامی حاکمیت سے خوف زدہ خلائی مخلوق نے پاور گیم کی سیاست میں ملک دیوالیہ کر دیا ہے۔ سو ایک زوال پذیر معاشرے میں اعلیٰ اخلاقی قدروں کا پنپنا محال ہوتا ہے۔ ایسے عالم میں بدتمیز حیوان صفت اور انسانیت سے عاری شر پسندوں سے عافیت ایک مشکل امر ہے۔ مفاد پرستی اور اقربا پروری کا کلچر عروج پر ہے۔ ادبی مجالس میں حفظ مراتب کے مسلمہ اُصولوں کی کھلی خلاف ورزی کی جاتی ہے۔ اہل سخن ناقدری کا شکار ہیں اور متشاعر مشاعروں کی صدارت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ تعریفی اسناد و ایوارڈ استحقاق کی بجائے محض صوابدید پر منحصر ہیں۔ جس طرح آزاد خیال عورتوں نے ''میرا جسم میری مرضی'' کا نعرہ بلند کیا تھا۔ اسی طرح نام نہاد ادبی گماشتے بھی کمال ڈھٹائی سے ایسا ہی جواب دیتے ہیں۔ ہر دور میں چچا چھکن شیخ چلی اور کوڈو شاہ کے احمقانہ کردار ہمیں دیکھنے کو ملتے رہے ہیں۔ ہر چیز بقدر ظرف ہوتی ہے۔ جو کچھ برتن کے اندر ہوتا ہے وہی کچھ باہر آتا ہے۔ تمام ادب دوست ساتھیوں سے گزارش ہے کہ ثابت قدم رہیں اور حسب توفیق حسینہ ادب کی زلفیں سنوارتے رہیں اور مشق سخن جاری رکھیں۔ ساری دنیا کو کبھی خوش نہیں رکھا جا سکتا۔ اس لیے فضولیات سے پرہیز کریں کثرت مطالعہ۔ گہرا مشاہدہ اور تخیل کی بلند پروازی اعلیٰ ادب کے لیے لازم وملزوم ہے۔ بقول شاعر

یہ میخانہ ہے بزم نہیں ہے یہاں کوئی کسی سے کم نہیں ہے

فیصلہ تو پھر وقت ہی کرے گا کہ کون کہاں کھڑا ہے۔ اس لیے کسی کی بکواسیات کی ہرگز پروانہ کریں۔ جس دیئے میں جان ہوگی وہ دیا رہ جائے گا۔

آرنلڈ اور حالی کے تصورِ معاشرہ اور ادب کا تقابلی جائزہ

(تنقید و نقد الانتقاد مقالہ ایم فل)

مقالہ نگار: آفتاب شاہ (سیالکوٹ) قسط:2

سرسید کا امید پرستانہ اور رجائیت سے بھرپور انداز حالی کی زندگی میں انقلاب لے آیا۔ 1879 میں مدو جزر اسلام المعروف مسدس حالی نے پورے ہندوستان میں تہلکہ مچا دیا اور اس کے محرک سرسید ہی تھے۔ مسدس کا بنیادی موضوع اصلاح اور مسلمانوں کے عروج زوال کا داغ تھا جس کا مقصد صرف دکھ بیان کرنا نہ تھا بلکہ اس زخم کا علاج بھی اس کتاب میں موجود تھا۔ مسدس حالی کی شاعری میں وطن سے محبت، اصلاح پسندی، مقصدیت کا بیان، ادب برائے زندگی اور مقصد کا فروغ، سادگی، نظمیہ انداز، انفرادیت، سنجیدگی و وقار، خلوص، روائتی مضامین سے گریز اور نیا اسلوب متعارف کرایا گیا تھا اور دلچسپ بات یہ ہے کہ یہی تمام عمر حالی کا اندازِ فکر اور انداز تحریر بن گیا۔

سرسید سے ملاقات اور رفاقت نے حالی کی زندگی کو مکمل تبدیل کر دیا 40 سال تک حالی نے سرسید کا ساتھ دیا اور صرف ساتھ نہیں دیا بلکہ تحریک علی گڑھ کے مردِ مجاہد بن کر ہر محاذ پر سرسید کا دفاع بھی کرتے رہے۔ حالی سرسید کو اپنا پیر و مرشد مانتے تھے اسی لیے تہذیب الاخلاق میں مضامین بھی تحریر کیے اور نئی اصناف کی طرف توجہ بھی کی۔ سرسید نے قدیم نثر کو جب جدت میں ڈھالا تو اس کا اثر ان کے رفقاء پر بھی پڑا اور حالی ان میں سے ایک خیال کیے جاتے ہیں۔ حالی سرسید کی وفات کے بعد بھی اسی مشن سے جڑے رہے اور 1914 میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ حالی کی شخصیت کیونکہ سرسید کے حصار میں تھی اس لیے ان کے ادبی کردار میں سرسید کے اثرات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ حالی گو کہ مذہبی آدمی تھے لیکن اس وقت جب کہ جدید تعلیم اور ادب میں عقل و منطق کے استعمال کو انتہائی برا خیال کیا جاتا تھا۔ حالی نے نہ صرف ادب میں ان تجربات کو عملی شکل دی بلکہ مدلل اور عقلی اسلوب کو نکتہ انتہاء تک پہنچا دیا۔

سرسید کی وجہ سے اصلاح پسندی اور مقصدیت تحریکِ علی گڑھ کے لکھاریوں کا طرہ امتیاز ٹھہرا۔ ڈپٹی نذیر احمد سے حالی تک اور شبلی سے حالی تک میں یہی انداز واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ تحریکِ علی گڑھ نے اردو ادب کو ایک نیا اسلوب اور انداز تحریر عطا کیا۔ سرسید محسنِ اردو ہیں خاص طور پر نثر کو انہوں نے ایک نیا لہجہ عطا کیا اسی لیے سرسید کو جدید نثر کے بانی کے طور پر ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ یہ تحریک علی گڑھ کا ادبی پلیٹ فارم ہی تھا جہاں سے سر سید نے مضمون نگاری کا وہ رنگ اختیار کیا جو بعد میں آنے والوں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوا۔ ناول نگاری کا باقاعدہ آغاز ڈپٹی نذیر احمد کے اصلاحی اور تبلیغی ناولوں سے ہوتا ہے۔ سوانح نگاری کا بیج سرسید نے اپنے نانا پر لکھی گئی تحریر سے بویا تھا لیکن سوانح نگاری کو اوجِ کمال تک شبلی اور حالی نے پہنچایا۔ اردو ادب کی یہ اصناف جدید عہد میں نئے روپ سے سامنے آئیں لیکن ان کا سہرا ہمیشہ سرسید کی تحریک علی گڑھ کو ہی جاتا ہے۔ مسدس حالی کے دیباچے میں حالی رقمطراز ہیں:

قوم کے ایک سچے خیر خواہ نے جو اپنی قوم کے سوا تمام ملک میں اسی نام سے پکارا جاتا ہے آکر ملامت کی اور غیرت دلائی کہ حیوانِ ناطق ہونے کا دعویٰ کرنا اور خدا کی دی ہوئی زبان سے کچھ کام نہ لینا بڑے شرم کی بات ہے۔

یہ اندازِ فکر تمام عمر حالی کے اسلوب سے وابستہ رہا۔ زمانے سے حالی اس لئے نالاں تھے کہ کوئی ہنر کی طرف توجہ نہیں کرتا اور شعراء کیونکہ معاشرے کا حصہ ہوتے ہیں اس لیے حالی ان پر دکھ کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ حالی کی مدو جزر اسلام المعروف مسدس حالی نے ان کو وہ آفاقیت عطا کی جس کا کوئی شاعر محض خواب ہی دیکھ سکتا ہے۔ لیکن حالی کا محض یہی وہ کارنامہ نہیں ہے جس کی بنا پر وہ یاد رکھے جائیں گے۔ انہوں نے تنقید جیسی مشکل اور پیچیدہ صنف کو اختیار کیا اور آج بھی حالی کو اردو تنقید کا باوا آدم کہا جاتا ہے۔ ان کی کتاب مقدمہ شعر و شاعری نے اردو ادب میں ایک تہلکہ مچا دیا۔ اس کتاب میں حالی کی سوچ اور فکر کا ایک الگ جہاں آباد نظر آتا ہے جہاں پر عقل کی شاخوں سے دلیل کے پتے وجود پاتے ہیں۔ جہاں دلیل کو خلوص کا لباس پہنا کر فکری رعنائی عطا کی گئی ہے۔ جہاں حقیقت کو تحریر عکسِ جاوداں بنا کر آفاقیت کے اصولوں پر بحث کی گئی ہے۔

مقدمہ شعر و شاعری میں اگر تنقیدی اصولوں کی بازگشت سنائی دیتی ہے تو وہیں پر عملی تنقید کی صورت نمایاں نظر آتی ہے۔ عمرانی رنگ حالی کا وہ وصف ہے جس کی وجہ سے وہ ایک عمرانی نقاد کے طور پر جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔ گو کہ حالی مقصدیت اور اصلاح کے جذبہ سے اپنی تحریر کو معاشرے میں

پیش کرتے ہیں لیکن ادب کی خدمت کا رنگ بھی حالی کے خلوص کی نمایاں خصوصیات میں سے ایک سمجھا جاتا ہے۔

حالی کا تصورِ معاشرہ:

ادب میں حالی کو اس لیے بھی بہت اہمیت حاصل ہے کہ انہوں نے ان نظریات کو ادبی روایت میں پرو کر عوام کے سامنے پیش کیا جن کو لکھنا عجیب سمجھا جاتا تھا۔ ادب کا سب سے بڑا حصہ شاعری پر مشتمل ہے اور حالی بھی شاعری سینہ صرف شغف رکھتے تھے بلکہ وہ اس کی اصلاح کے بھی خواہاں تھے۔ حالی کے باقاعدہ تنقیدی نظریات مقدمہ شعروشاعری میں نظر آتے ہیں جو 1893ء میں منظرِ عام پر آئی گو کہ 1882ء سے ہی حالی اس بارے میں لکھنے کا سوچتے رہے لیکن ان کا یہ کام تقریباً گیارہ سال بعد تکمیل پزیر ہوا۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حالی کے دماغ میں مقدمہ لکھنے کا خیال پرانا تھا لیکن جب ان کو یقین ہوگیا کہ اب حالات سازگار ہیں تو انہوں نے اس کو شائع کروانا مناسب سمجھا۔ مقدمہ شعروشاعری کے ساتھ ہی حالی کا دیوان بھی شائع ہوا جس کو دیوانِ حالی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ان دونوں کتب پر حالی کی اچھی خاصی رقم صرف ہوئی مقدمہ شعروشاعری حالی کی تنقیدی کتاب ہے جس کو اردو تنقید کا ابتدائیہ کہا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں وحید قریشی لکھتے ہیں:

''حالی نے نا ہن کا سفر اور پھر علی گڑھ کا سفر مقدمہ شعروشاعری کی تدوین کے لیے کیا۔ سب سے پہلے مقدمہ لکھنے کا خیال انہیں 9 جنوری 1882ء میں ہوا۔ جب انہوں نے دہلی میں قیام کیا اور پانی پت میں سعید اکبر صاحب عثمانی کو خط لکھا تھا کہ قاضی صاحب مرحوم کے کتب خانے سے مزہر (مصر کی چھپی ہوئی) جو اصول علم لغت پر جلال الدین سیوطی نے لکھی ہے حاصل کر کے بھیجیں۔

اس کتاب کی تخلیق میں حالی نے اپنی تمام صلاحتیں صرف کر دیں گو کہ حالی کے معاشرے کی اصلاح اور ادب کی ترویج کے خیالات ان کی باقی کتابوں میں بھی موجود نظر آتے ہیں لیکن مقدمہ شعروشاعری میں انہوں نے مدلل اور منطقی انداز تحریر استعمال کر کے آنے والے وقتوں کے لیے کئی سوالات ایسے چھوڑے ہیں جن پر بحث کرنا آج بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ جتنا کہ سو سال پہلے تھا اور شاید یہ چلن ہر دور میں ایسا ہی رہے کیونکہ ادب کی معاشرتی جڑیں یکساں رہتی ہیں لیکن شاخوں اور پتوں پر موسمی اثرات ضرور نمایاں نظر آتے ہیں۔ حالی ادب کے برگد کی جڑوں کا مطالعہ کر کے شاعری کے پھل کا تجزیہ کرتا ہے اور ماحول اور زندگی کے عوامل کا اس کے ذائقے کے اثرات کا فیصلہ تحقیقی عمل سے جوڑ دیتا ہے۔

بلکہ انہوں نے جدت کے راستے پر چل کر آنے والوں کے لیے نئی راہیں بھی ہموار کر دیں۔ یہی وجہ ہے کہ وقت نے ان کو جو شہرت اور عزت عطا کی وہ اور کسی کے حصے میں شاید ہی آئی ہو۔ ڈاکٹر وحید قریشی لکھتے ہیں:

''مقدمے کے عربی ماخذوں میں جلال الدین سیوطی کی مزہر، ابنِ خلدون کی مقالات علمِ ادب، ابن رشتیق کی کتاب العمدۃ اور رسالہ نملہ کے فائل قابلِ ذکر ہیں۔ اردو ماخذوں میں سب سے بڑا ماخذ آبِ حیات ہے جس کا اثر جابجا کتاب میں نظر آتا ہے۔ تدوین کے بعد اردو ڈکشنری (جو غالباً فرہنگ آصفیہ ہے) تاریخ ہند (ذکاءاللہ) منتہیا لارب (چہار جلد)۔ ترمذی اور مظہر جمیل (کتاب حدیث) کا ذکر بھی آتا ہے جو غالباً کتاب کی نظر ثانی کے وقت استعمال ہوئی ہوں گی۔''

مقدمہ شعروشاعری کا مکمل احاطہ کرنا انتہائی مشکل کام ہے لیکن اس کتاب اور حالی کی باقی کتابوں سے ان کے تصورِ معاشرہ اور ادب کو سمجھا جاسکتا ہے۔ اصل میں حالی ادب کو معاشرے کا لازمی جزو سمجھتے تھے یہی وجہ ہے کہ وہ شاعری کو حقیقی رنگ میں دیکھنے کے خواہاں تھے۔ لیکن مقدمہ شعروشاعری لکھنے سے پہلے ہی حالی اپنی شاعری میں بدلاؤ لا چکے تھے جس کی وجہ سے ان کی سوچ خاصی واضح ہوچکی تھی اور وہ ان ہی خطوط پر چلتے ہوئے تنقیدی رنگ کو بھی نمایاں کرنا چاہتے تھے۔

آفتاب شاہ

لوگ گندگی سے کترا کر اس لیے نہیں گزرتے کہ اس میں کوئی خوبی، جرات، بہادری یا طاقت کا رنگ پایا جاتا ہے۔ یا گند کوئی اپنی شان رکھتا ہے۔ گند کی خوبی گند کی نظر میں بھی لوگوں کو گندہ کرنا ہی ہے نیکی اور پاکی کو نجاست سے بھرنا اس کا محبوب مشغلہ ہے۔ اسی لیے نفاست پسند اور نیک خصلت لوگ گندگی سے دور رہتے ہیں لیکن بدخصلت اپنی گندی سوچ اور اوچھے ہتھکنڈوں کو اپنی فتح قرار دیتا ہے۔ جبکہ وہ یہ نہیں جانتا کہ گند میں منہ مارنے کا شوق کسی جانور کا تو ہوسکتا ہے نسلی انسان کا اس سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

***

غزل

جھیلے ہیں یہاں ہم نے عذاب اور طرح کے
اب ہم نے بھی لینے ہیں حساب اور طرح کے

اس بار فضاؤں میں ہر اِک شاخِ شجر پر
کھلتے ہُوئے دیکھے ہیں گلاب اور طرح کے

رونا ہے اسی بات کا سمجھے نہ وہ ظالم
دیتا ہے سوالوں کے جواب اور طرح کے

اے قیس! تری دشت نوردی کی قسم ہے
پیش آئے ہمیں دشت و سراب اور طرح کے

تم ڈُوبتے لوگوں کی صداؤں سے ہو غافل
اُبھریں گے سمندر پہ حباب اور طرح کے

پیش آئے نصاب اور ہی اِس زیست میں ہم کو
مکتب میں پڑھے ہم نے نصاب اور طرح کے

پہلی سی ادا ہے نہ وہ پہلی سی ہے شوخی
اب چہرے سے اُٹھتے ہیں نقاب اور طرح کے

سینوں میں تھے ارمان کسی اور ہی ڈھب کے
آنکھوں میں اُتر آئے ہیں خواب اور طرح کے

حیران زلیخا ہے اسی بات پہ مسعودؔ
یوسف کے لیے کھلتے ہیں باب اور طرح کے

مسعودؔ چودھری

زمانہ طالب علمی میں ایک مرتبہ اردو
کے پیپر میں لفظ "شدہ" کے چار
لاحقے لکھنے کو کہا گیا
میں نے جواب میں لکھا
"شادی شدہ ، گمشدہ ، تباہ شدہ اور
ختم شدہ"

اگلے روز استادِ محترم نے پیپر چیک کر
کے واپس دیئے تو مجھے لاحقوں والے
سوال میں چارمیں سے آٹھ نمبر
ملے تھے-
میں نے استاد صاحب سے اضافی نمبروں
کے متعلق پوچھا تو ہنس کر کہنے لگے
"بیٹا چار نمبر درست جواب کے ہیں
اور چار نمبر درست ترتیب کے"-
😂😂😂😜😜😂😊😊😷

ایک پاکستانی نژاد امریکن احمدی کا اعزاز

ڈاکٹر چوہدری صفی اللہ وڑائچ آف Vineland, New Jersey کے صاحبزادے اور مکرم چوہدری عطاء اللہ خاں وڑائچ آف رام تارڑ ضلع حافظ آباد کے پوتے طارق ہبۃ اللہ چوہدری امریکہ کی نیوجرسی سٹیٹ میں Superior Court کے جج مقرر ہوئے ہیں۔

گورنر نیوجرسی جناب عزت مآب Philip D. Murphy نے انہیں اس سال کے آغاز میں اس عہدہ کے لئے نامزد کیا تھا۔ اس نامزدگی کے بعد آئین کے مطابق Senate Judiciary Committee نے 18 مئی 2023 کو اُن کی تقرری کی منظوری دی اور پھر 22 مئی 2023 کو سینیٹ کے فل ہاؤس میں تمام ووٹ طارق ہبۃ اللہ چوہدری کے حق میں ڈالے جانے کے بعد چیف جسٹس نے 23 مئی 2023 کو اُن کی تقرری کا نوٹیفکیشن جاری کر دیا ہے۔

نیوجرسی کے نئے Superior Court Judge، چوہدری مجیب اللہ وڑائچ آف فلاڈیلفیا اور ڈاکٹر حافظ چوہدری سمیع اللہ وڑائچ آف نارتھ جرسی کے بھتیجے ہیں۔ ادارہ المنار ایپی اور تعلیم الاسلام کالج المنائی یو۔ ایس۔ اے کی جانب سے عزیزم طارق چوہدری، مکرم صفی اللہ صاحب اور تمام اہل خانہ کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیزم طارق چوہدری کو مزید کامیابیاں عطا کرتا چلا جائے۔ آمین۔

پہلے پاکستانی امریکن Superior Court جج طارق ہبۃ اللہ چوہدری نے اپنے عہدے کا حلف اٹھالیا
انہوں نے قرآنِ کریم پر حلف لینے کی سعادت حاصل کی

امریکہ کی نیوجرسی سٹیٹ کے نئے Superior Court جج طارق ہبۃ اللہ چوہدری قرآن کریم پر اپنے عہدے کا حلف اٹھا رہے ہیں۔ درمیان میں اُن کے چچا ڈاکٹر چوہدری سمیع اللہ وڑائچ آف نارتھ جرسی، جو خود بھی حافظ قرآن ہیں، قرآن کریم کا مصحف اٹھائے ہوئے ہیں جس پر نئے جج صاحب نے اپنا ایک ہاتھ رکھا ہوا ہے، جبکہ طارق ہبۃ اللہ چوہدری کے Assignment جج اُن سے حلف لے رہے ہیں۔ حلف والے قرآن کریم کا یہ نسخہ طارق ہبۃ اللہ چوہدری کو اُن کے دادا مکرم چوہدری عطاء اللہ خاں وڑائچ آف رام تارڑ ضلع حافظ آباد نے اُن کی تقریب آمین پر دیا تھا۔

نیچے والی تصاویر میں تینوں بھائی، ڈاکٹر چوہدری صفی اللہ وڑائچ، چوہدری مجیب اللہ وڑائچ اور ڈاکٹر حافظ چوہدری سمیع اللہ وڑائچ، جج صاحب کو اُن کے نئے عہدے کا گاؤن پہنانے کے بعد Assignment جج کے ساتھ کھڑے ہیں۔

واضح رہے کہ حلف برداری کی یہ تقریب 14 جون 2023 کو Cumberland Courthouse, Bridgeton New Jersey میں منعقد ہوئی، جس میں قریبی خاندان کے افراد کے علاوہ متعدد Superior Court ججز اور عدالت کے عملے نے شرکت کی۔

اُداس کیوں ہو؟ ۔ مبارک صدیقی

تُمھیں زمانے نے سُکھ کے بدلے میں دُکھ دیا ہے، اداس کیوں ہو
یہ مسئلہ تو بہت سے لوگوں کا مسئلہ ہے، اداس کیوں ہو
یہ کیا کہ ہر شام ریل گاڑی کو دیکھ کر سوگوار ہونا
وہی ہے منزل بچھڑنے والا جدھر گیا ہے، اداس کیوں ہو
جو دُکھ اٹھا کر بھی مسکرائے گا ایک دن کامیاب ہوگا
کتابِ ہستی میں لِکھنے والے نے لکھ دیا ہے، اداس کیوں ہو
تم اپنے دل کے لہُو سے روشن محبتوں کے چراغ رکھنا
فصیلِ شب سے اُٹھیں گے سورج یہ طے شدہ ہے، اداس کیوں ہو
یہ میر غالب فراز محسن مُنیر مضطر فرید وارث
ادب فروشوں نے اِن نگینوں کو دُکھ دیا ہے، اداس کیوں ہو
تمہیں بھی کانٹوں سے پیار کرنا نہ راس آیا تو کیا بنے گا
یہ راستہ تو گُلاب لوگوں کا راستہ ہے اداس کیوں ہو
وکیل اُنکے، گواہ اُنکے یہ شہر اُنکا سِپاہ اُنکی
مگر مبارکؔ یقین رکھنا ابھی خدا ہے، اداس کیوں ہو

عاصی صحرائی

آئے وہ اس کو میں اب خود سے بھی ملواتا ہوں
عشق تجسیم میں ہے یہ اسے دکھلاتا ہوں
جب کبھی شور بپا ہو مری خاموشی میں
بند کرتا ہوں میں کانوں کو سکوں پاتا ہوں
وصل کی سوچ میں تسکین بہت ہے پر اب
لمحۂ وصل سے اے شام نکل آتا ہوں
آ گیا دیکھنے پندارِ خرد دنیا کا
گو کہ ایسا ہے کہ میں اس سے بھی گھبراتا ہوں
میں نے دیوار کو چھوا وہاں دروازہ بنا
اب غرور اتنا ہے میں خود سے بھی گھبراتا ہوں
بعد از مرگ تری دید و زیارت کے لئے
شام کے بعد تری یاد کے در آتا ہوں
اس نے مانگا ہے مگر اس کے لیے میں عاصیؔ
پوری دنیا کو ہی تحفے میں اُٹھا لاتا ہوں

***

یہ ہوائیں ہیں مجھے ایک بدن کی مانند
یہ ڈراتی ہیں مجھے سانپ کے پھن کی مانند
ایک طاقت کا مری ذات پہ یوں حملہ ہوا
میں کہ برباد ہوا مثلِ یمن کی مانند
مختصر وقت کے بعد آئے گا پیغامِ اَجل
مختصر وقت ملا ہم کو سخن کی مانند
دستِ شفقت ترا آ جاتا مرے شانے پر
میں نظر آتا اندھیروں میں کرن کی مانند
ایک احساس مجھے چاٹ گیا باہر سے
ایک احساس مرے بیچ چمن کی مانند
ایک خطے کو بنا بیٹھا ہے تو اپنا جہاں
ساری دنیا ہے مجھے میرے وطن کی مانند
مجھ پہ لپٹا ہے یہ کیوں مجھ کو بتاؤ عاصیؔ
بادلوں پار فلک ایک کفن کی مانند

مولانا عامرؔ عثمانی

نہ سکت ہے ضبطِ غم کی نہ مجالِ اشک باری
یہ عجیب کیفیت ہے نہ سکوں نہ بے قراری
ترا ایک ہی کرم ہے ترے ہر ستم پہ بھاری
غمِ دو جہاں سے بخشی مجھے تو نے رستگاری
مری زندگی کا حاصل ترے غم کی پاسداری
ترے غم کی آبرو ہے مجھے ہر خوشی سے پیاری
وہ جسے قرار کہیئے نہیں قسمتِ محبت

شبِ ہجر بھی گذاری شبِ وصل بھی گذاری
یہ قدم قدم بلائیں یہ سوادِ کوئے جاناں
وہ یہیں سے لوٹ جائے جسے زندگی ہو پیاری
ترے جاں فراز وعدے مجھے کیا فریب دیتے
ترے کام آگئی ہے مری زودِ اعتباری
مری رات منتظر ہے کسی اور صبحِ نَو کی
یہ سحر تجھے مبارک جو ہے ظلمتوں کی ماری
وہی پھول چاک دامن وہی رنگِ اہلِ گلشن
ابھی صرف یہ ہوا ہے کہ بدل گئے شکاری
مری عاقبت کے دشمن مجھے چین آ چلا ہے
کوئی اور داغِ تازہ کوئی اور زخمِ کاری
وہ نگاہ یاد آئی مجھے تھامنا چلا میں
یہ پڑے ہیں جام و ساغر یہ دھری ہے بادہ خواری
تجھے کیا خبر کہ جس نے ترے ہوش کھو دیے ہیں
وہی آنکھ بانٹتی ہے کبھی جنسِ ہوشیاری
یہ کمالِ علم و فن ہے کہ زوالِ علم و فن ہے
نہ وفا، نہ مہر و الفت، نہ کرم، نہ غم گساری
جو غنی ہو ما سوا سے وہ گدا گدا نہیں ہے
جو اسیرِ ما سوا ہو وہ امیر بھی بھکاری
کبھی کاش تو بھی سمجھے مری صنعتِ وفا کو
تجھے کیا بنا گئی ہے مری حاشیہ نگاری
ہے عجب طرح کی بازی یہ بساطِ عشق عامرؔ
کبھی جیت کر نہ جیتی کبھی ہار کر نہ ہاری

طاہرہ مسعود

آنکھوں میں تیری دید کا کاجل اتار کے
کھولے ہوئے ہیں در یہ ترے انتظار کے
اک بے یقینی کیسی فضا میں ہے رچ گئی
یہ دن خوشی کے لگتے ہیں جیسے ادھار کے
سازش ہے کیا یہ جانِ تمنا ترے بغیر
تیور عجب ہی ہوگئے لیل و نہار کے
کچھ حل نہ ہو سکیں گے مسائل جہان کے
سوجا سکون سے تو یہ پاؤں پسار کے
پوچھا جو میری کیا ہے حقیقت جناب کو
وہ چل دیے تھے خود پہ ہی تو مجھ کو وار کے
سمجھے تھے وہ اُتاریں گے صدقہ مرا مگر
وہ چل دیے تھے مجھ کو ہی صدقہ اتار کے
تجھ پر کسی کو رحم نہ آئے گا سن رکھو
یہ طوقِ خوش گمانی ہی رکھ دو اُتار کے
یہ کیا کہ ناز جس سے ہے شکوہ بھی اس سے ہے
یہ ڈھنگ بھی عجب ہیں دلِ بے قرار کے

جناب ثاقب زیروی صاحب مرحوم کی اُردو نظم

انجام

کا پنجابی ترجمہ از مسعودؔ چودھری

کوئی ویلھا نہیں جے غور کرے انہونیاں دے عنواناں دا
کیوں خواب چبارے ڈھیہ گئے نیں کیوں ہو گیا خون ارمان دا
تاریخ دے ویڑھے وچ اَج وی لبھن قبراں ہر دور دیاں
کتبے تے پڑھ اِنساناں نے کیہ کیتا حال اِنساناں دا
طاقت دے نشے وچ اَتھیاں نوں نہیں اکھ مِلی ویکھن والی
مفہوم نہ سمجھے ، بے سمجھے الہاماں دے فرماناں دا
اپنے اِی ظُلماں دی چکیئے پس جاندے آپ اخیراں نوں
انجام اَزل توں ایہو اے فرعوناں دا ہاماناں دا
ماڑے ہاں پیسے دھیلے توں دل بھرمائے نال محبتاں دے
ڈکھیاں دے اتھروں پونجھاں گے ونڈاں گے بھار اِنساناں دا
پھٹ چیریاں اتے کھڑ دیاں اِی کھلرے مُسکان گلاباں دی
نہیں جگرا ایڈا داناواں دا ایہ حوصلہ پاگل جاناں دا
سُٹ ڈوری صبر توکل دی اُٹھ جاگ نظارے ویکھ ذرا
طوفاناں والے موڑیا جے مونہہ ہور طرف طوفاناں دا
سونے چاندی دیاں لِشکاں تے پئے سَودے ہون ضمیراں دے
فتنہ لِشکار زمانہ جے خطرہ اے بڑا ایماناں دا
وچ محفل یار دی جو آوے سر دھر کے تلی تے آوے اوہ
ہر پاسے راہ وچ پہرا اے اَج چھوّیاں دا کرپاناں دا
اسیں حق تے سچ دا ایہ جھنڈا اَسماناں تے لہراواں گے
طوفاناں دی گود چ پلیاں نوں کیہ خوف بھلا طوفاناں دا
جو وانگ ہمیری چڑھ پئے سن ہُن دُھوڑاں وانگر لہہ گئے نیں
ثاقب ایہ سدا ہوندا آیا انجام اُچیاں اِیواناں دا

مسعودؔ چودھری

SARMAD GLOBAL

CHARTERED ACCOUNTANTS

QUALIFIED CHARTERED ACCOUNTANTS WITH BIG 4 EXPERIENCE

FREE TELEPHONE / EMAIL & WHATSAPP SUPPORT

- ✓ Company incorporation / Registered Office Address
- ✓ Personal Income Tax Return investigations,
- ✓ Rental Income Tax Returns
- ✓ UK State Pension Entitlement Review
- ✓ Advice on filling Gaps in UK State Pension
- ✓ UK State Pension / (Contracted Out) Tracing
- ✓ Private UK Pension Tracing.
- ✓ Assets Review for Inheritance Tax
- ✓ Appealing-Past years HRMC Penalties
- ✓ Preparation / Filing of Prior year tax returns
- ✓ Duplicate-Payslips/ P60s

ICAEW CHARTERED ACCOUNTANTS

SARMAD KHAN ACA, FCCA

OFFICE 115 LONDON ROAD MORDEN SURREY SM4 5HP UK

TEL +44(0)208 646 3666 FAX +44 (0)208 082 5002

E-MAIL: INFO@SARMADGLOBAL.COM

WEB. WWW.SARMADGLOBAL.COM

CELL +44 (0) 7903 416966

SHARIF

JEWELLERS

TIMELESS JEWELS, PRICELESS MEMORIES

28 London Road, Morden. SM4 5BQ London

@sharifjewellers +44 7888 300 399

grillculturemorden@gmail.com

GRILL CULTURE EID MENU

Grill Culture — PiPaSa

PRE-ORDER BEFORE 18TH APRIL 2023
(AVAILABLE FOR EID DAY AND THE FOLLOWING DAY)

MENU

PRICES ARE FOR ONE PORTION

EID SPECIAL

Haleem	£5.99
Mutton Korma	£6.50
Chicken Korma	£3.50
Mutton Pilao	£3.99
Chicken Pilao	£3.50
Chicken Roast	£1.50

PIZZA & DONER

	15"	24"
Doner Pizza	£8.99	£17.99
Chicken Tikka Pizza	£8.99	£17.99
Vegetarian Pizza	£7.99	£16.99
Chicken Doner (reg.)	£4.99	-
Beef Doner (reg.)	£5.99	-

BBQ GRILL

Chicken Leg Piece	£2.00
Seekh Kebab (2 pcs)	£3.99
Peri Peri (Half)	£4.99
Peri Peri (Full)	£9.99

SWEETS & SHAKES

Kheer	£2.50
Zarda	£2.50
Milkshakes (Mango/ Oreo/ Lotus)	£4.99

- BOOKING IS WITH 50% ADVANCE
- SPECIAL OFFERS: 15 PORTIONS AND ABOVE
- FAMILY DEALS AVAILABLE
- COLLECTION ONLY
- DELIVERY (CHARGED)

63 St Helier Ave, Morden, SM4 6HY 07876504304/ 07886026149

TRANSLATIONS

ENGLISH - URDU

ATA TAHIR

DPSI ENGLISH LAW

IOLET DIPLOMA IN PUBLIC SERVICE

Interpreting Urdu-English Law

07818210181

atatahir@hotmail.com

HEATING LTD.

24/7 EMERGENCY SERVICE

Domestic & Commercial

Contact: 07722 222 965

www.247breakdownsolution.co.uk

FREE CONSULTATION & LEGAL ADVICE
24 Hours Emergency Numbers

مفت قانونی مشاورت
24 گھنٹے ایمرجنسی سروس

07878 33 5000 / 07774222062

RASHID & RASHID LAW FIRM
211, The Broadway, Southall, UB1 1NB.
Near McDonalds Southall.
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

190 Merton High Street, Wimbledon
London SW191AX
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

راشد اینڈ راشد لاء فرم
211، دابراڈوے، ساؤتھ ہال، UB1 1NB نزد میکڈونلڈز ساؤتھ ہال
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

190 میرٹن ہائی سٹریٹ، ویمبلڈن
لندن SW19, 1AX
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

SOW THE SEEDS OF LOVE

Benefit with very competitive rates, tailored advice & service to suit your specific needs, 24 hour response to all online enquiries and our many years of experience
www.rashidandrashid.co.uk

مناسب ریٹس میں آپ کی مخصوص ضروریات کے تحت موزوں مشورہ، 24 گھنٹے آن لائن سروس اور ہمارا سالوں کا تجربہ

- Asylum & Immigration
- New Point Based System
- Settlement Application (ILR)
- European Law
- Nationality & Travel Documents
- Human Rights Applications
- High / Court of Appeals
- Family Matters and Divorce
- Switching Visas
- Over Stayers
- Legacy Cases
- Work Permits
- Visa Extensions
- Judicial Reviews
- Tribunal Appeals
- Student appeals

- اسائلم/سیاسی پناہ اور امیگریشن
- نیا پوائنٹ بیسڈ امیگریشن سسٹم
- ویزا میں تبدیلی
- ویزا توسیع/ایکسٹینشن
- سیٹلمنٹ درخواست (ILR)
- یورپین قانون
- اوور سٹیئرز
- جوڈیشل ریویو
- نیشنیلٹی اور سفری دستاویزات
- درخواست برائے انسانی حقوق/ہیومن رائٹس
- وراثتی معاملات/لیگیسی کیس
- ٹرائبیونل اپیل
- ہائی/کورٹ آف اپیل
- طلاق و دیگر خاندانی معاملات
- ورک پرمٹ
- سٹونٹس اپیل

RASHID & RASHID
Solicitors, Advocates
Immigration Specialists
Commissioners of Oaths

راشد احمد خان
وکیل (پرنسپل)